وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اور اللہ سے بخشش چاہو اپنی تقصیر کی اور ایمان والوں کیلئے اور ایمان والیوں کیلئے (سورۃ محمد)

تحقیق مسئلہ

ایصالِ ثواب

از قلم

استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ

واعظ نکتہ داں حضرت مولانا

عبدالکریم ندیم صاحب (خان پور)

مؤلف و مرتب

مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر

قادری، نقشبندی، مجددی

ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ ۲۸۵ جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

ناشر

انجمن خدام الاسلام (رجسٹرڈ) حنفیہ قادریہ

باغبانپورہ لاہور، فون: ۶۸۶۲۸۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحقیق مسئلہ

ایصال ثواب

﴿ازقلم﴾

استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہٗ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

﴿پسند فرمودہ﴾

واعظ نکتہ داں حضرت مولانا عبدالکریم ندیم صاحب (خان پور)

﴿مرتب ومؤلف﴾

مولانا قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی

ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ: ۲۸۵۔ جی۔ ٹی روڈ باغبانپورہ۔ لاہور

﴿ناشر﴾

انجمن خدام الاسلام رجسٹرڈ حنفیہ قادریہ: 285 جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

0300 9496702...... 042-6862816 - 6846529

نام کتاب : تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

مرتب و مؤلف : مولانا قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی

ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ ۲۸۵۔ جی۔ ٹی روڈ باغبانپورہ۔لاہور

قیمت : -/50 پچاس روپے

ناشر : انجمن خدام الاسلام رجسٹرڈ حنفیہ قادریہ

285 جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

0300 9496702...... 042-6862816 - 6846529

﴾......چند ملنے کے پتے......﴿

- ☆ جامعہ حنفیہ قادریہ 285 جی ٹی روڈ لاہور
- ☆ مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
- ☆ عمران اکیڈمی 40/B اردو بازار لاہور
- ☆ ظفر بک سنٹر، باغبانپورہ لاہور
- ☆ ادارہ تالیفات ختم نبوت کتاب مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ المصباح اردو بازار لاہور
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- ☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
- ☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
- ☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
- ☆ اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

اگر آپ یہ رسالہ عزیز و اقارب کے ایصال ثواب کیلئے مفت تقسیم کرنا چاہیں تو قیمت لاگت پر آپ کو مہیا کیا جا سکتا ہے۔رابطہ کیلئے۔فون:0300 9496702

فہرست مضامین

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ ولارسول بعدہ

امابعد: ابتداءآفرینش سے حق وباطل میں معرکہ ہوتا چلا آرہا ہے کہیں آمنے سامنے اور کہیں گھات میں بیٹھے اپنے دشمن کے نظریات پر قلمی وار ہوتے ہیں اس امت میں حق اہلسنت والجماعت کے ساتھ ہے اور جو اہل السنّت والجماعت ہیں وہ کبھی اس سے روگردانی کا نہیں سوچتے، اس گروہ نے کبھی بھی اپنی مرضی دین میں نہیں چلائی اور نہ ہی کسی کی مرضی چلنے دی جب کبھی ایسا موقع آیا کہ کوئی دین میں اپنی مرضی چلانے لگا تو اس گروہ نے ہمیشہ اس کی دلائل اور براہین سے سرکوبی کی اور ان کے سامنے حق واضح کیا اور بتایا کہ اگر قرآن مجید کی تفسیر، تفسیر بالرائے گمراہی ہے تو احادیث کی تشریح و توضیح اپنی مرضی سے کیسے ہوسکتی ہے اس کی تشریح اور اس کے مضمرات کو سمجھنے کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آئمہ مجتہدینؒ کی طرف رجوع ضروری ہے، کہ جس نہج پر کسی حدیث کے مندرجات کو انہوں نے بیان کیا ہے اسی مفہوم میں ہمیں بھی رہنا ضروری ہے۔گروہ اہل السنّت والجماعت کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ اسی مفہوم کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عوام اپنے اعمال وعقائد ونظریات اسی کے مطابق رکھیں مسئلہ ''ایصال ثواب'' ایک متفقہ مسئلہ تھا جس کو بعض افراط میں لیجا کر دین میں اپنی مرضی داخل کرنے کے مرتکب ہوئے تو بعض تفریط میں جا کر اس متفقہ مسئلہ کے انکاری ہوگئے جبکہ افراط وتفریط میں پڑے بغیر اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اس مسئلہ کی اپنی ایک اہمیت ہے، جس سے انکار نہیں کرنا چاہیے، ایک دن ایک صاحب کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن مجید اور دیگر سورتیں پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔میں نے کہا کہ آپ کو یہ کس نے کہہ دیا؟ یا خود آپ عالم برزخ میں دیکھ

آئے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے اپنے اسلاف کو کیا جانے والا ایصال ثواب اکارت جاتا ہے جنہیں بھیجا جاتا ہے انہیں نہیں پہنچتا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے پاس پہنچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا کہ، بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات، صحابہ کرامؓ کا عمل، علماء کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ اور جن کیلئے بھیجا ان کی تصدیق، کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ الشیخ المحقق ابن الہمام امام ابوحفص کبیرؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اموات کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں کیا ان کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا! ہاں۔ ان کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے تمہیں کوئی آدمی ہدیہ دے تو تم خوش ہوتے ہو۔ (رواہ عینی شرح ہدایہ ج ۲)

اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ مانا کہ یہ بات ایسے ہی ہے لیکن کسی ایک کے پڑھنے کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا میں نے یہ واقعہ سنایا جو یہاں بھی نقل کرتا ہوں۔

شیخ ابو یزید قرطبیؒ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور کئی نصاب اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے۔ جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے مجھے اس بات کی صحت میں کچھ تردد تھا ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعتہً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے۔ اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا

ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبیؒ کہتے ہیں مجھے اس قصے سے دو فائدے ہوئے ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

میں نے کہا کہ یہ ایک واقعہ ہے اس قسم کے نہ معلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔

پھر کہنے لگا کہ آپ مجھے اپنے اکابر کی لکھی ہوئی کوئی کتاب دیں جس میں یہ ساری باتیں دلائل کے ساتھ لکھی ہوں میں نے عرض کیا کہ اس پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقالہ لکھا تھا جو ہم نے چند سال قبل شائع کیا تھا لیکن وہ اب ختم ہے اس کی ایک کاپی موجود ہے اور حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ نے بھی اس پر ایک مضمون لکھا ہے تو وہ ایک بار چونک گیا کہنے لگا کہ ''سچ'' مولانا اوکاڑویؒ نے لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ بالکل میں نے وہ مقالہ جو تجلیات صفدر جلد دوم میں موجود ہے وہ دکھایا پڑھ کر بہت متاثر ہوا کہنے لگا کہ اس کو تو الگ شائع ہو جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس وقت جب میں نے مولانا نعمانی کا لکھا ہوا مقالہ ''ایصال ثواب'' شائع کیا تھا۔ فرمایا تھا کہ یہ انداز علمی ہے اور یہ اہل علم کیلئے ہے جو میں نے اس پر لکھا ہے وہ عوامی ہے جلدی سمجھ آ جاتا ہے اس کے ساتھ وہ بھی شائع کر دو تو میں نے حضرتؒ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ جب یہ شائع کرونگا تو انشاء اللہ اس کے ساتھ یہ بھی شائع ہوگا۔ تو آپ کی توجہ دلانے پر انشاء اللہ العزیز جلد ہی اس کو بھی اس کے ساتھ ہی شائع کروں گا۔

پھر میں نے اس سے کہا کہ آپ نے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی کا نام سنا ہے؟ کہنے لگا بالکل سنا ہے اور ان کی علمی شخصیت اور حدیث دانی

سے متاثر ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ فرق باطلہ کے رد میں جتنا حضرت شیخ نے کام کیا اور لکھا ہے وہ انہی کا مقام ہے تو میں نے پھر اس پر حضرت شیخ کی کتاب ''المنہاج الواضح یعنی راہ سنت'' کا وہ حصہ جس میں شیخ نے یہ سرخی قائم کی ہے ''بدنی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم'' دکھایا پڑھ کر بہت متاثر ہوا ذیل میں وہ تمام عبارت جو حضرت شیخ دامت برکاتہم نے لکھی ہے وہ بھی افادہ عام کیلئے لکھی جاتی ہے۔

اور دعا گوہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دین میں خودرائی سے بھی بچائے اور مسلمہ مسائل میں اختلاف سے بھی بچائے آمین۔

فقط

قاری جمیل الرحمٰن اختر قادری نقشبندی مجددی

خادم سلسلہ قادریہ راشدیہ ونقشبندیہ مجددیہ

ملفوظات حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

(۱) عقائد میں لچک نہ ہو مگر بیان میں نرمی ہو (۲) پچاس سالہ تجربہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر بچے (غبی) کو قرآن حفظ نہیں کروانا چاہیے۔ (۳) قرآن وسنت کو مجموعی حیثیت سے جتنا علماء دیوبند نے سمجھا ہے ہماری دعویٰ ہے کہ خیر القرون کے بعد امت میں کسی نے نہیں سمجھا (۴) بحمد اللہ مجھے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھاتے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا لیکن کبھی اپنی رائے کو اجتہادی درجہ نہیں دیا بلکہ اکابر کی رائے کو ہی مقدم سمجھا، عزیز القدر طلباء اجتہاد نہ کرنا، اکابر کی رائے پر اعتماد کرنا اور اسلاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نحمدہ تبارک وتعالیٰ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی اله واصحابه اجمعین .

زیرنظر کتابچہ ایصال ثواب کے مسئلہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم اور حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات پر مشتمل ہے جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ رسالہ ہمارے فاضل دوست مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔

مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد اسحاق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند و جانشین ہیں جو امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے اور حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز صاحب السیف حضرت مولانا بشیر احمد پسروریؒ سے انہیں سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔ حضرت مولانا محمد اسحاق قادریؒ نے دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کے ساتھ کیا تھا۔ ان کا مشن ساری زندگی قرآن کریم کا ترجمہ و درس اور سلسلہ قادریہ کے مطابق لوگوں کی روحانی راہ نمائی اور تربیت رہا ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام سے بھی زندگی بھر وابستہ رہے ہیں اور ایک دور میں وہ لاہور میں کئی سال تک جمعیۃ کے ضلعی امیر رہے ہیں، قاری جمیل الرحمٰن اختر انہی کے فرزند و جانشین ہیں، انہوں نے دورۂ حدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں کیا تھا، مسجد امن باغبانپورہ لاہور میں اپنے والد محترمؒ کی جگہ خطابت وامامت اور جامعہ حنفیہ قادریہ کے اہتمام کے علاوہ روحانی سند کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں سلسلہ قادریہ میں اپنے والد محترمؒ سے اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں میرے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم سے اجازت وخلافت حاصل ہے جبکہ پاکستان شریعت کونسل میں وہ ہمارے متحرک رفقاء میں سے

ہیں اور مرکزی سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے مصروف کار ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے مسلک پر رہتے ہوئے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی سرگرم ہیں۔ اب تک بیسیوں کتب شائع کر چکے ہیں جن میں (۱) خطیب اسلام حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی چار جلدیں اور پانچویں جلد زیر طبع ہے (۲) مختلف اکابر کے خطبات جن میں میرے والد حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ، حضرت مولانا قاری محمد حنیف ملتانیؒ، حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، حضرت مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ اور راقم کے بھی تین خطبات شامل ہیں (۳) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور حضرت قاری محمد طیبؒ کے برادر حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف التعوذ فی الاسلام ''جادو کی حقیقت اور اس کا قرآنی علاج'' کے نام سے جس پر حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کی تقاریظ ہیں۔ (۴) مولانا محمد ابوبکر غازی پوری (آف انڈیا) کی چار کتابیں اور (۵) مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ کی تذکرہ محبوب کبریا ﷺ، تذکرہ سیدنا حسینؓ، (۶) اور تجلیات رمضان المبارک۔ (۷) ہمارے دوست مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی مدظلہ کا سفر نامہ ارمغان حج۔ (۸) مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی مدظلہ کی الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی شامل ہیں۔ نیز حضرت لاہوریؒ کے ترجمہ قرآن کریم کے ساتھ اپنے والد مفسر قرآن مولانا محمد اسحٰق قادریؒ کے تحریر کردہ تفسیری حاشیہ پر کام کر رہے ہیں۔ اب حضرت والد صاحب مدظلہ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے وہ مضامین جو مسئلہ ایصال ثواب کے موضوع پر ہیں افادہ عام کیلئے شائع کر رہے ہیں دعا ہے کہ اللہ کریم قارئین کو اس متفقہ مسئلہ کے سمجھنے اور عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی

سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

از استاذ المحدثین شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر مدظلہ

بدنی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم

جمہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب درست اور جائز ہے، خواہ بدنی عبادت ہو خواہ مالی ہو۔ البتہ بدنی عبادت میں (مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت[1] قرآن کریم وغیرہ) حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہیں (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۷ و کتاب الروح ص ۱۴۵ وغیرہ) مگر اکثر حضرات شوافعؒ اور حضرات موالکؒ اس مسئلہ میں دیگر آئمہ کا ساتھ دیتے ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے (کتاب الروح از ص ۱۴۵ تا ص ۱۷۷) میں اس کی نقلی اور عقلی طور پر مبسوط بحث کی ہے۔ حق اور اقرب الی الصواب یہی بات ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں۔ جب تک وہ نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوگا:

(۱) میت مؤمن اور مسلمان وصحیح العقیدہ ہو، گو کتنی ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اور اسی طرح ایصال ثواب کرنے والا بھی مؤمن اور مسلمان ہو، ورنہ سب محنت رائیگاں ہوگی۔

(۲) ایسی کسی عبادت میں ریا، نام ونمود وشہرت اور اپنی مصنوعی عزت اور ناک کی حفاظت کا ہرگز سوال نہ ہو اور نہ لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچنے کا خیال ہی دل میں ہو، اور خیرات مَنّ واذیٰ (احسان جتلانے اور اذیت دینے) سے بھی پاک ہو۔

---

[1] مولانا عبدالمجید صاحبؒ غیر مقلد تحریر فرماتے ہیں کہ مروجہ ختم بدعت ہے۔ ہاں اگر خاموشی سے بلاریا صدقہ کیا جائے خصوصاً صدقہ جاریہ وغیرہ تو اس کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن کریم کا بھی انتہیٰ بلفظہٖ (اہلحدیث سوہدرہ ۸ ستمبر ۱۹۴۹ء ص ۶ کالم نمبر ۳) اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''وبودن ایں تلاوت مجعول از برائے میت قادح نیست'' (دلیل الطالب ص ۳۹۸)

(۳) جو مال صدقہ وخیرات میں دیا جائے وہ حلال اور طیب ہو۔ خبیث، ناپاک اور غلول (خیانت) وغیرہ کا غیر طیب مال ہرگز نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم، صحیح احادیث اور اقوال حضرات فقہاء کرام سے یہ بالکل واضح ہے۔

(۴) جس مال کا صدقہ اور خیرات دی جائے اس میں کوئی وارث غائب اور نابالغ بچہ نہ ہو، ورنہ اس کا صدقہ کرنا بلا خلاف حرام اور موجب عذاب خداوندی ہے۔

(۵) جو قرآن کریم میت کو پڑھ کر بخشا جائے وہ بلا معاوضہ اور بلا اجرت پڑھا جائے۔

(۶) اپنی طرف سے دنوں کی اور خاص کیفیتوں کی تعیین نہ کی جائے اور نہ کھانے کے اقسام میں یہ تعیین ہو۔

(۷) یہ کھانا صرف فقراء اور مساکین کو دیا جائے، برادری کو اور اغنیاء کو نہ کھلایا جائے۔

ان میں بعض ایسے امور ہیں جن میں کسی ادنیٰ کلمہ گو کو بھی شک وشبہ نہیں ہو سکتا، اور ان کا ثبوت قرآن کریم اور صحیح احادیث سے بخوبی واضح ہے بعض دعاوی کے اختصاراً دلائل سن لیجئے۔

حرام مال کا صدقہ ناجائز ہے

قرآن کریم میں آتا ہے کہ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ کہ خبیث اور ناپاک اور ردی چیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے لا يقبل الله صدقة من غلول۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲) یعنی اللہ تعالیٰ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں:

ولو علم الفقير انه من الحرام ودعا له وامن المعطی کفرا

(شرح فقہ اکبر ص ۲۳۳ کانپوری)

یعنی اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال جو مجھے دیا جارہا ہے حرام ہے اور اس نے دینے والے کے حق میں دعا کی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے۔

اور یہی عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۹۹ میں بھی موجود ہے۔

امام قاضی خاںؒ لکھتے ہیں:

وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اذا كانوا بالغين فان كان في الورثة صغيراً لم يتخذوا ذلك من التركة. (قاضی خاں ج۴ ص۸۱۷ نولکشور)

کہ اگر میت کے ترکہ سے فقراء کیلئے کھانا تیار کرلیا جائے تو اچھا ہوگا جبکہ وارث سب بالغ ہوں اور اگر وارثوں میں کوئی ایک بھی نابالغ ہو تو ترکہ سے یہ کھانا تیار نہیں کیا جاسکتا۔

اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

حديث جريرؓ يدل على الكراهة ولاسيما اذا كان في الورثة صغار او غائب. (شامی ج ۱ ص ۸۴۱)

حضرت جریرؓ کی روایت کراہت پر دلالت کرتی ہے خصوصاً جبکہ وارثوں میں چھوٹے بچے ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔

اور ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ:

بل صح عن جريرؓ كنا نعده من النياحة وهو ظاهر في التحريم قال الغزالي ويكره الاكل منه قلت هذا اذا لم يكن من مال اليتيم والغائب والا فهو حرام بلا خلاف. (مرقات علی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۱)

بلکہ حضرت جریرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ میت کے ہاں سے کھانے کو حضرات صحابہ کرامؓ نوحہ کی طرح سمجھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کھانا حرام ہے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ ایسا کھانا مکروہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کراہت اس وقت ہوگی، جب کہ میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا غائب نہ ہو، ورنہ یہ بلا اختلاف حرام ہوگا۔

ان عبارات سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ میت کے وارثوں میں اگر سب ہی بالغ اور حاضر ہوں تب بھی ایسا کھانا مکروہ ہے بلکہ بظاہر حرام ہے، اور اگر میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا کوئی وارث غائب ہو تو بالاتفاق ایسا کھانا حرام ہوگا

اور فقراء کے لئے بھی ایسا کھانا ناجائز ہوگا۔

خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں، بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔ مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ نہ اس کے وصی کو۔ لان الولایۃ للنظرہ للضرر علی الخصوص اگر ان میں کوئی یتیم ہو تو آفت سخت تر ہے والعیاذ باللہ رب العلمین ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ و نابالغ راضی ہوں (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۹۳) خان صاحب کی یہ عبارت قابل داد ہے۔ مگر ان کا یہ مجددانہ مغالطہ قابل غور ہے کہ جب نابالغ کو اپنے مال کا باقرار خان صاحب خود بھی اختیار نہیں تو پھر بالغ و نابالغ راضی ہوں کا کیا مطلب ہے؟ نابالغ کی رضا کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء احنافؒ نے تصریح کی ہے:

لاتجوز وصیۃ الصبی اذالم یکن مراهقاعندنا.

(قاضی خان ج ۴ ص ۸۳۷)

یعنی نابالغ لڑکے کی وصیت ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے جبکہ مراہق (حد بلوغ کو پہنچنے والا) نہ ہو۔

اور سراجیہ ص ۱۴۷ میں ہے:

وصية الصبي باطلة

نابالغ کی وصیت باطل ہے۔

مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں:

''جب کوئی آدمی مرجاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز وقریب اپنے خاص مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے۔ اس میں کسی فقیہ ومحدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے ملک وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ پس اگر وارث بالغ ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا۔ اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں، سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں، اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہو گیا۔ اس کا صرف کر دینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں، نہ کپڑا، نہ کھانا، نہ روپیہ نہ پیسہ۔ فقط تجہیز وتکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس۔ اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی بالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں الخ'' (انوار ساطعہ ص ۱۲۵)

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

''نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہو تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصے سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاً مال میت تقسیم ہو جائے، پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہو گا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا ناجائز ہے۔ یہ ضرور خیال رہے'' (جاء الحق ص ۲۵۶)

مگر مفتی صاحب بھی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک فی صدی تیجہ، ساتواں، دسواں اور چالیسواں وغیرہ بھی شاید بمشکل ایسا ہو جس میں شرعی طور پر مال ترکہ تقسیم ہو چکنے کے بعد بالغ وارث صرف اپنے حصہ سے یہ صدقہ کرتے ہوں۔ اور

کتنے مولوی، حافظ اور پیر ہیں جو تیجہ، ساتواں اور دسواں وغیرہ مجالس میں شریک ہونے سے قبل یہ سوال کر لیتے ہیں کہ اس ترکہ میں کوئی نابالغ یا غائب وارث تو شامل نہیں اور کیا اس کی شرعی تقسیم ہو چکی ہے یا نہیں؟

تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینا

قرآن کریم کا پڑھنا ایک بہت عمدہ عبادت ہے، اور پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایصال ثواب کے لئے جو قرآن کریم پڑھا گیا ہو اس پر اجرت نہ لی گئی ہو، خواہ اجرت پہلے طے کی گئی ہو۔ یا طے نہ کی گئی ہو مگر عرف اور رواج سے یہ معلوم ہو کہ کچھ نہ کچھ اجرت ضرر ملے گی لان المعھود کالمشروط اور فقہاء احناف نے اس کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ تاج الشریعت محمود بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۶۷۳ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

ان القران لایستحق بالاجرة الثواب لاللمیت ولا للقاری

(بحوالہ انوار ساطعہ ص ۱۰۷)

کہ جو قرآن کریم اجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب نہ تو میت کو پہنچتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو۔

اور علامہ عینی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

الاخذو المعطیٰ اثمان، فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لایجوز . (بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵)

قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے زمانہ میں جو قرآن کریم کے پاروں کا اجرت کے ساتھ پڑھنا رائج ہو چکا ہے، وہ جائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی پوری تشریح علامہ شامیؒ نے کی ہے، فلیراجع

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینے کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صورت اول آنکہ ثواب قرآن خواندۂ خود را بعوض مبلغ کذا بدست کسے بفروشند و ایں صورت محض باطل است باجماع اہل سنت الی ان قال صورتِ دوم آنکہ شخصے را برائے ختم نمودن قرآن بمزدوری بگیرند و ثواب آں ختم بمستاجر برسد و ایں صورت نزد حنفیہ جائز نیست و نزد شافعیہ طولے و تفصیلے دارد" (فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۸)

(مفہوم عبارت: پہلی صورت یہ کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب جو پڑھنے والے کو ملا ہے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرنا بالکل باطل ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک شخص قرآن پڑھنے کی مزدوری لیتا ہے اور ثواب اس کا جس سے مزدوری لی اس کو دیتا ہے یہ صورت احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، شوافع کے نزدیک اس میں لمبی تفصیل ہے۔)

اور مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی نے حضرات فقہاء کرامؒ کے متعدد حوالوں سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اجرت لے کر قرآن کریم پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا باطل ہے۔ نہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو۔ (دیکھئے مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۷)

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:

واما قرأۃ القرآن واھدائھا له تطوعا بغیر اجرۃ فھذا یصل الیه کما یصل ثواب الصوم والحج . (کتاب الروح ص ۱۷۵)

قرآن کریم کا اجرت کے بغیر پڑھ کر بطور تبرع کے اس کا ثواب میت کو بخشنا صحیح ہے اور اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے جیسا کہ روزہ اور حج کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:

ثم قرأۃ القران واھدائھا له تطوعا بغیر اجرۃ یصل الیه

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۰ طبع کانپور)

قرآن مجید کا بغیر اجرت کے محض للہ پڑھ کر اس کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا درست ہے۔

علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الدمشقی الحنفیؒ (المتوفی ۷۴۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

واما استیجار قوم یقرأون القران ویھدونہ للمیت فھذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیہ والا ستیجار عن نفس التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف. (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۳۸۶ طبع مصر)

اجرت پر قرآن کریم کی تلاوت کر کے اس کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا تو سلفؒ میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرات ائمہ دینؒ میں سے کسی نے اس کا حکم اور اجازت دی ہے۔ نفس تلاوت پر اجرت ناجائز ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

بجا معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب بریلوی کا حوالہ نقل کر دیا جائے تا کہ اس پر رجسٹری ہو جائے۔

مسئلہ:...... بعض لوگ بعد دفن کر دینے میت کے حافظ کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم وبیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں۔ پس اس طرح کی اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے، نہ کہ ثواب پہنچے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کیلئے نوکر رکھ لیں۔ پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ آیا کرو، یہ جائز ہے''۔ (احکام شریعت حصہ اول ص ۶۳)

مگر خان صاحب ہی از راہ کرم یہ فرمائیں کہ یہ طریقہ کون کرتا ہے؟ اور کہاں ہوتا ہے؟

مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں: اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوا ویں یہ البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے الخ (انوار ساطعہ ص ۱۰۷) جوہرہ نیرہ ج اص ۲۷۳ میں ہے ''**لایجوز ھوا المختار**'' یہ جائز

نہیں ہے یہی مختار ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

''پس جو کچھ ملاؤں کو دیا جاتا ہے وہ اجرت ان کے پڑھنے کی ہے، اور جو پڑھائی کہ اجرت پر ہوتی ہے اس کا ثواب نہ پڑھنے والے کو ہوتا ہے اور نہ مردہ کو۔ لہٰذا یہ فعل ان کا باطل اور لینا دینا دونوں حرام اور موجب ثواب کا نہیں بلکہ گناہ ہے۔ مردہ کو اس کا ثواب نہیں ہوتا ہے اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کام کا ترک بھی واجب ہے۔ اگر لوجہ اللہ ثواب پہنچانا منظور ہے تو ہر شخص اپنے مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچا دے، اور تیسرے دن کا کیوں انتظار کیا جائے۔ نفس ایصال ثواب کو کوئی منع نہیں کرتا اگر بلا تعین ہو مگر ان قیود و خصوصیات کے ساتھ بدعت بھی ہے اور ثواب بھی نہیں پہنچتا''۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۸۴)

الغرض اس نکتہ پر خان صاحب بریلوی اور مولانا گنگوہی صاحبؒ دونوں متفق ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے جو قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اس پر اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں اور ثواب کچھ نہیں ہوتا؛ بلکہ اس پر استحقاق عذاب ہے۔ اب جو لوگ اس مسئلہ میں علماء دیو بند کو کوستے ہیں، تو ان کو بغور سوچ لینا چاہیئے کہ طعن کس پر ہوگا؟

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر   اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

نوٹ ضروری

قرآن کریم کی تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے معاوضہ میں اجرت اور تنخواہ لینا نیز مؤذن، امام وخطیب اور قاضی کے لئے اجرت وتنخواہ لینا جائز ہے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے اپنے دور میں ان حضرات کو وظیفے اور تنخواہیں دیں۔ اگر یہ کارروائی ناجائز ہوتی تو یقیناً حضرات خلفاء راشدینؓ اس کا کبھی بھی ارتکاب نہ کرتے۔ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کا عمل اور سنت بفحوائے حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین (الحدیث) امت کے لئے مشعل راہ ہے جس سے ان کیلئے کوئی مخلص

نہیں ہے۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

ان عمرؓ بن الخطاب و عثمانؓ بن عفان کان یرزقان المؤذنین والائمة والمعلمین. (سیرت العمرین لابن جوزی ص ۱۶۵)

حضرت عمرؓ بن الخطاب اور عثمانؓ بن عفان مؤذنوں اماموں اور معلموں کو وظائف اور تنخواہیں دیا کرتے تھے۔

امام جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفیؒ (المتوفی ۷۶۲ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ معلمین کو وظیفہ دیا کرتے تھے (نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۳۷) حضرات فقہاء کرام کے وظائف کے متعلق علامہ ابن جوزیؒ نے تفصیلات نقل کی ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ کس فقیہ کو کس شہر میں تعلیم فقہ پر مامور کیا گیا تھا (سیرت العمرین ص ۱۶۸)۔ اور نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قضاۃ (یعنی شرعی طور پر جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور ججوں) کے لئے بھی وظائف اور تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ اور کتاب الخراج لقاضی ابی یوسفؒ میں اس کی مزید تشریح موجود ہے اسی میں ملاحظہ فرمالیں۔

امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ (المتوفی ۲۲۴ھ) رقم طراز ہیں کہ:

ان عمرؓ بن الخطاب کتب الیٰ بعض عماله ان اعط الناس علی تعلم القران. (کتاب الاموال ص ۲۶۱)

حضرت عمرؓ نے اپنے بعض گورنروں کو لکھا کہ قرآن کریم پڑھنے والوں کا وظیفہ مقرر کرو۔

اس پر بعض عمال نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن کریم سیکھنے کی رغبت اور شوق کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب علم بننا اختیار کرلیا ہے، مگر حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود ان لوگوں کا وظیفہ بند نہیں کیا۔

اور علامہ زیلعیؒ باحوالہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان عمرؓ بن الخطاب کتب الیٰ بعض عماله ان اعط الناس علیٰ تعلیم القراٰن. (نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۳۷)

حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا کہ جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم دیتے اور پڑھاتے ہیں ان کو وظیفہ دو۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے حضرت یزیدؒ بن ابی مالکؒ اور حضرت حارثؒ بن یجمد اشعریؒ کو بھیجا کہ وہ دیہات میں لوگوں کو دین اور فقہ سکھائیں اور ان کے لئے روزینہ مقرر کیا۔ یزیدؒ بن ابی مالکؒ نے تو قبول کر لیا مگر حارثؒ نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا (کتاب الاموال ص ۲۶۶) بظاہر ان کی مالی حالت اچھی اور مضبوط تھی اس لئے انہوں نے بلا معاوضہ ہی یہ خدمت انجام دی جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بیت المال سے وظائف لیا کرتے تھے لیکن حضرت عثمان چونکہ کافی مال دار اور غنی تھے اس لئے انہوں نے زمانہ خلافت میں اپنی خاطر بیت المال پر بالکل بوجھ نہیں ڈالا۔

قاضی ابوبکر محمدؒ بن عبداللہؒ ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) اس مسئلہ پر بحث اور اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اذان، نماز، قضا اور تمام اعمال دینیہ پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ امیر المؤمنین اور خلیفہ ان تمام امور پر اجرت لیتا ہے (بحوالہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱ وتحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۸۴) حضرت امام نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث **واضربوا لی بسهم (الحدیث)** میں تصریح ہے کہ رقیہ دم اور جھاڑ پھونک پر سورۂ فاتحہ اور ذکر پڑھ کر اجرت لینا جائز ہے اور یہ بالکل حلال ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور اسی طرح تعلیم قرآن کریم پر بھی اجرت لینا جائز ہے۔ اور یہی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، حضرت امام اسحاقؒ، حضرت امام ابوثورؒ اور دیگر حضرات سلف صالحینؒ اور ان کے بعد آنے والے حضرات کا مسلک ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ نے تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا منع کیا ہے البتہ رقیہ پر اجرت لینے کے جواز کے وہ بھی قائل ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۴)

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امام مسجد، مؤذن، قرآن کریم کی تعلیم دینے والا معلم اور قاری، فقہ اور دین کی تعلیم دینے والا مدرس اور اسی طرح فصل خصومات کرنے والا قاضی اور جج وظیفہ، اجرت اور تنخواہ لے سکتے ہیں اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ جیسے حضرات خلفاء راشدینؓ کی طرف سے یہ وظائف اور تنخواہیں ان کے لئے مقرر کی گئی تھیں اور اسلامی مملکت میں بیت المال اس بوجھ کا متحمل تھا۔ جہاں بیت المال نہ ہو (جیسا کہ مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس پرفتن دور میں نہیں ہے) تو وہاں اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ یہ بوجھ اٹھائیں تاکہ تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رہے اور اس طریقہ سے دین کا احیاء ہوتا رہے ورنہ ناموافق ہواؤں میں دین کا یہ چراغ بجھ جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو روشن رکھے اور بجھنے نہ دے بے دینی کی آندھیاں تو ہر طرف سے اٹھ رہی ہیں ۔

ہواؤں کا رخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

مسئلہ اجرت اور حضرت امام ابو حنیفہؒ

حضرت امام نوویؒ کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے اور دیگر بہت سے حضرات فقہاء کرامؒ نے امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (المتوفیٰ ۱۵۰ھ) سے تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا مکروہ اور ممنوع نقل کیا ہے۔ انہوں نے کمال ورع اور تقویٰ کی بنا پر ان دینی امور پر اجرت لینا منع کیا؟ یا مال دار اور غنی لوگوں کے لئے انہوں نے اجرت لینا مکروہ کہا؟ یا اس لئے کہ ان دینی کاموں پر اجرت لینے کو مقصود بالذات سمجھ کر دنیا بٹورنے کا ذریعہ ہی نہ بنا لیا جائے؟ اور یا اس لئے کہ خیر القرون میں نادار اور مفلس خدام دین کو بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں اور وظیفے ملتے، اس لئے ان لوگوں کو الگ اجرت اور تنخواہ لینا مکروہ سمجھا؟ الغرض حضرت امام صاحبؒ کے اس فتویٰ کی بنیاد کئی امور پر ہو سکتی ہے اور انہی کے فتویٰ پر صاد کہتے ہوئے حضرات متقدمین فقہاء احنافؒ نے

اس اجرت کو مکروہ فرمایا۔ لیکن جب بیت المال کا نظام درہم برہم ہو گیا تو حضرات فقہاء احنافؒ میں متاخرین حضرات کو زمانہ کی اہم ضرورت کے بارے میں سوچنا پڑا۔ اور پھر انہوں نے متفقہ طور پر جواز کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ امام قاضی خان الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ:

انما کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القران و کرھوا اخذ الاجر علٰی ذلک لانہ کان للمعلمین عطیات فی بیت المال فی ذلک الزمان و کان لھم زیادۃ رغبۃ فی امر الدین و اقامۃ الحسبۃ وفی زماننا انقطعت عطیاتھم و انتقضت رغائب الناس فی امر الاخرۃ فلو اشتغلوا بالتعلیم بالحاجۃ الٰی مصالح المعاش لاختل معاشھم قلنا بصحۃ الاجارۃ ووجوب الاجرۃ للمعلم بحیث لو امتنع الوالدعن اعطاء الاجر حُبس فیہ اھ

(فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۴۴ طبع نولکشور لکھنؤ)

بلا شبہ حضرات متقدمینؒ نے تعلیم قرآن کریم پر کسی کو اجرت دیکر ملازم رکھنا مکروہ سمجھا ہے اور اس پر اجرت لینا بھی مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں معلمین کے لئے بیت المال میں عطیات مقرر ہوتے تھے نیز امور دین اور للہ فی اللہ کام کرنے میں ان حضرات کی رغبت زیادہ تھی اور ہمارے زمانہ میں عطیات بھی منقطع ہو چکے ہیں اور آخرت کے معاملہ میں لوگوں کی رغبتیں بھی کم ہو چکی ہیں۔ سو اگر ایسے لوگ ناداری کی حالت میں تعلیم کا شغل جاری رکھتے ہوئے روزی کمانے میں مصروف ہوئے تو ان کی کمائی میں سخت خلل پڑے گا۔ اس لئے ہم نے یہ کہا کہ یہ اجارہ صحیح ہے اور معلم کے لئے اجرت واجب ہے۔ اب اگر تعلیم پانے والے شاگرد کا والد (اور موجودہ اصطلاح میں مدرسہ، ادارہ اور مہتمم) معلم کو تنخواہ دینے سے گریز کرے تو اسے گرفتار کیا جائے گا۔

حضرات فقہاء احنافؒ میں فقیہ النفس ہونے کے لحاظ سے جو مقام امام قاضی خانؒ کا ہے، وہ اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہے۔

علامہ ابن النجیم الحنفیؒ (الملقب بابی حنیفۃ الثانی) فرماتے ہیں:

اما علیٰ المختار للفتویٰ فی زماننا فیجوز اخذ الاجر للامام والمؤذن والمعلم والمفتی اھ۔ (بحر الرائق ج ا ص ۲۵۴)

بہر حال ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ امام اور مؤذن اور معلم اور مفتی کو اجرت لینا جائز ہے۔

اور صاحب ہدایہ بھی یہی تصریح فرماتے ہیں کہ اب فتویٰ جواز پر ہے (ہدایہ ج ۴ ص ۱۵) اور اسی طرح علامہ بدر الدین العینی الحنفیؒ صراحت فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵)

حضرات فقہاء کرام کی ان واضح تصریحات کے بعد مطلقاً حاجت اور ضرورت نہیں کہ ہم اجرت لینے کی ممانعت کے دلائل کا تذکرہ کر کے پھر ان کے تفصیلی جوابات عرض کریں۔ صرف اجمالی طور پر یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جن بعض آیات اور احادیث سے عدم جواز اجرت بر تعلیم قرآن کریم پر استدلال کیا گیا ہے وہ ممانعت میں نص اور متعین المعنیٰ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو محال تھا کہ حضرات خلفاء راشدینؓ اور حضرات ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور علماء کرامؒ اور متاخرین حضرات فقہاء احنافؒ اس کے خلاف فتویٰ صادر کرتے کیونکہ قرآن کریم کی وہ آیات اور احادیث ان کے پیش نظر بھی تھیں اور احادیث اس سلسلہ کی اکثر و بیشتر ضعیف ہیں۔ اور اگر بعض صحیح ہیں تو حضرت امام بیہقیؒ وغیرہ نے ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سراج المنیر ج ۳ ص ۳۲۲ للعزیزی)

فائدہ: کسی بیمار اور مصیبت زدہ وغیرہ پر قرآن کریم پڑھ کر یا تعویذ لکھ کر اجرت لینا جائز ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴ وغیرہ کی یہ روایت ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ (او کما قال کہ زیادہ مناسب وہ چیز جس پر تم اجرت لو، کتاب اللہ ہے) اس کی دلیل ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس سے رقیہ اور جھاڑ پھونک وغیرہ پر اجرت لینا مراد ہے، ایصال ثواب پر اجرت لینا مراد نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

المراد الرقیة لا التلاوة. (فتاوی ج ۲ ص ۱۹۸)

اس سے مراد جھاڑ پھونک ہے۔ تلاوت نہیں ہے۔

علامہ عزیزیؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جھاڑ پھونک پر قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے۔ (السراج المنیر ج ۱ ص ۸۵ ")

ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعین

میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ و خیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، اسی طرح نفلی نماز و روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے۔ لیکن ایصال ثواب کیلئے شریعت حقہ نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے۔ اور پہلے باحوالہ یہ گذر چکا ہے کہ اپنی طرف سے ایسی تعیین کرنا بدعت ہے۔ دلائل اربعہ میں سے کوئی دلیل اس پر دال نہیں ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین ضروری ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ رسم مسلمانوں نے اہل ہنود سے لی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین ہے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونی (التوفی ۴۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارھویں اور پندرھویں روز کھانا کھلانا، اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے۔ اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے۔ نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہو گی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے اردگرد پھرتی رہے گی۔ پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارھویں تاریخ کو بھی۔ نیز لکھا ہے کہ ماہ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند ص ۲۷۰ و ص ۲۸۲ ملخصاً)

اور یہی کچھ برائے نام مسلمان کرتے ہیں کہ حلوا اور پانی بھی سامنے رکھا جاتا ہے اور ملا جی کے برتن بھی الگ ہوتے ہیں اور دنوں کی تعیین بھی کی جاتی ہے خصوصاً دسویں گیارھویں اور اختتام سال کے بعد سالانہ عرس۔ مشہور نو مسلم عالم (جو پہلے پنڈت تھے) مولانا عبید اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ...... ''برہمن کے مرنے کے بعد گیارھواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دن اور دیش یعنی بنئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سولھواں دن اور شودر یعنی بالدہی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے، ازاں جملہ برسی کا دن ہے اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک دن سدھ کا ہے مردے کے مرجانے سے چار برس پیچھے، ازاں جملہ سوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا، اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں ابھشر من کہلاتا ہے، اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں''۔ (بلفظہ تحفۃ الہند ص ۹۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہے۔ اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ ہنود کے تیجہ کو دیکھ کر وضع ہوا ہے (البراہین القاطعہ ص ۱۱۱) اور یہی کچھ کلمہ گو مسلمان کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ پنڈت کی جگہ ختمی ملانے لے لی ہے اور کھانے پر بید کی جگہ قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ افسوس اور صد افسوس کہ ان تمام غیر اسلامی رسموں نے اسلامی شکل اختیار کر لی ہے اور اب اس پر تنقید کرنا گویا اسلام پر تنقید کرنا ہے اور یہ سب کچھ ہندوستان میں آ کر ہوا فوا اسفا! ع

وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں

(بحوالہ المنہاج الواضح یعنی راہ سنت ص ۲۴۸ تا ۲۶۱)

پیش لفظ

طبع اوّل

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد ایک عرصہ سے دین سے دوری اور خود اجتہادی کی وبا پوری دنیا میں عموماً اور ہمارے ملک پاکستان میں خصوصاً پھیلی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن میں سے کوئی قرآن کا نام لیکر اور کوئی حدیث کا نام استعمال کر کے لوگوں کو گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے اور کوئی اللہ کا فرمان اور رسول ﷺ کا ارشاد چھوڑ کر بھی کچھ بزرگوں کو سمجھنے لگ گیا ہے۔ ایک فرقہ اگر یہ کہہ کر کہ ''یہ مسئلہ قرآن میں نہیں'' اجماع امت کے خلاف ہو جاتا ہے تو دوسرا گروہ اپنی طرف سے مسائل پیدا کر کے دین میں ٹھونس رہا ہے اور ان مسائل کو نہ ماننے والوں پر گستاخ اور نہ جانے کیا کیا فتوے لگا رہا ہے ایسے دور میں حق و سچ کہنے اور تحریر کرنے والے بھی موجود رہے اور ہیں اللہ تعالیٰ رحم و فضل کی بارش برسائے حضرات اکابر علماء دیوبند پر خصوصاً حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد زکریا سہارن پوری، مولانا عبید اللہ انور، مولانا محمد اسحاق قادری رحمۃ اللہ علیہم پر اور موجودہ حضرات میں سے خصوصاً حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہ، مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ، مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ، مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ مولانا محمد اجمل خان مدظلہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، اور مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی[1] پر جو آج بھی

---

[1] ان حضرات میں سے بھی سوائے حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور حضرت صوفی صاحب کے سب حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے۔

.ین متین کا علم بلند کیے ہوئے ہیں اور تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنا فرض منصبی ادا کر رہے
ہیں۔ کچھ عرصہ قبل یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مردوں کو زندوں کے اعمال کا ثواب پہنچتا
ہے یا نہیں تو بعضوں نے بالکل انکار کر دیا اور بعض اپنے خود ساختہ طریقوں سے
یصال ثواب کرنے لگے۔

اس مسئلہ کے متعلق بعض احباب نے مجھے کچھ لکھنے کیلئے کہا تو میں نے ارادہ
کیا۔ کہ جو کام شروع کیے ہوئے ہیں ان کو مکمل کر کے اس مسئلہ پر کچھ تحریر کروں گا لیکن
یری مصروفیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ وقت نکال کر لکھنا میرے لیے مشکل تھا۔ انہی
یام میں ماہنامہ انوار مدینہ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ جو پرانے بزرگوں
یں سے ہیں کی تحریر اس موضوع پر قسط وار شائع ہونا شروع ہوئی تو میں نے اللہ کا شکر
دا کیا کہ جس کام کو مجھ جیسا کم علم احسن طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا تھا ایک متبحر عالم دین
کے ہاتھ سے اللہ نے کروا دیا۔ میں اس مضمون کو انوار مدینہ میں شائع کرنے پر مولانا
سید محمود میاں صاحب کا شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جہاں اس رسالہ کو پڑھ کر
آپ مولانا نعمانی کیلئے دعا کریں گے وہاں مجھے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے
.الے میرے دوست جناب مسعود اختر صاحب ظفر بک سنٹر والے اور عزیزم ڈاکٹر
طاہر مسعود اور ان کے اعزہ اور میرے مربی و شیخ حضرت مولانا محمد اسحاق قادری رحمتہ
للہ علیہ اور میری والدہ مرحومہ کیلئے بھی بلندی درجات کی ضرور دعا فرمادیں گے میری
.عا ہے کہ اللہ کریم اس رسالہ کی اشاعت سے ان لوگوں کے اذہان کو صاف فرمائے
جو اس سلسلہ میں شک میں مبتلا ہیں اور نافع خلائق بنائے۔ (آمین)

فقط: قاری جمیل الرحمٰن اختر قادری نقشبندی مجددی
ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ باغبانپورہ لاہور

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی لکھنؤ، بھارت

سلف اُمت کے متفقہ مسائل سے انکار، اور ائمہ سابقین کی اجتماعی تحقیقات سے بھی اختلاف کرنا زمانہ حال کے ''نئے محققین'' اور نئی روشنی کے ''مجتہدین'' کا فیشن سا ہو گیا ہے۔ اس مہلک علمی بیماری کا (جو اب روز بروز عام ہوتی جارہی ہے) سب سے بڑا اور خطرناک ضرر یہ ہے کہ اس نے دین کے عملی نظام کے بہت بڑے حصے کے متعلق ناواقفوں کے ایک وسیع طبقہ کو سخت شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے بہت سے مسلمہ مسائل پر بھی از سر نو بحث واستدلال کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ اسی سلسلہ کی کڑی ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ۔

''انسان کے مرنے کے بعد کسی دوسرے زندہ شخص کی سعی سے اس کو کوئی نفع اور کسی نیک عمل کا ثواب بخشنے سے، بالخصوص اس کے لیے صدقہ وغیرہ کرنے سے کچھ ثواب اس کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں''۔

یہ مسئلہ اگرچہ جمہور امت کے نزدیک مسلم بلکہ معمول بنا رہا ہے اور تفصیلات وجزئیات کے بعض معمولی اختلافات کے باوجود اس پر ائمہ امت کا خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ اتفاق اور اجماع رہا ہے کہ زندوں کے دعاو استغفار سے اور موتی کے لیے صدقات وغیرہ کرنے سے مردوں کو نفع ہوتا اور ثواب پہنچتا ہے۔'' حاملان دین کے تمام وہ طبقے جن کی وساطت سے علم دین کی امانت ہم تک پہنچی ہے۔ یعنی فقہا و مجتہدین اور محدثین ومفسرین سب ہی اس کے قائل ہیں اور اپنے نزدیک قابل اتباع دلائل و براہین کی بنیاد پر قائل ہیں (جیسا کہ مختلف مکاتب خیال کی قدیم و جدید فقہی کتابوں اور دفاتر آثار وروایات سے معلوم ہوتا ہے)، لیکن ہمارے زمانے کے بعض حضرات کو اس سے انکار ہے اور اس انکار میں زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے، جن کو حدیث کے حجت دینی ہونے پر یقین واعتماد نہیں ہے۔

اس خیال کے جن مختلف حضرات کی باتیں سننے کا راقم کو اتفاق ہوا ہے۔ ان سب ہی کی زبانوں سے استدلال میں قرآن مجید کی وہ آیتیں سننے میں آئیں جن میں اس اصول کو مختلف عنوانات سے واضح کیا گیا ہے کہ ''انسان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ ملے گا اور جزا و سزا کا دارومدار اس کے اپنے ہی کردار پر ہوگا''۔ مثلاً

(۱) لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى'' (۲) كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ (۳) ''كُلُّ امۡرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ (۴) هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ'' (۵) لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ'' (۶) مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا''۔

اس قسم کی آیات سے مغالطہ کھانے یا مغالطہ دینے کے علاوہ ان حضرات کے کچھ اور اپنے دماغوں کے بافیدہ خیالات بھی ہیں، جن کو کبھی کبھی ''درایت قرآنیہ'' کے پرشکوہ اور مرعوب کن عنوانات سے یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ (اس خیال کا ترجمان ایک مضمون ''الفرقان'' (۷-۸-۹ جلد ۱۰) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔)

یہ مقالہ جو ان صفحات میں ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے اسی مسئلہ کی توضیح و تقریر سے متعلق ہے اور غرض اس سے صرف اس چیز کو واضح کر کے پیش کر دینا ہے جس کو یہ عاجز دلائل شرعیہ کی روشنی میں حق سمجھتا ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

یہاں یہ چیز بھی صفائی کے ساتھ عرض کر دینی ضروری ہے کہ اس باب میں میں صرف اتنی ہی چیز کا قائل اور اسی قدر کا حامی ہوں جتنا کہ اصولی طور پر دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، باقی صدیوں سے اس بارے میں جو غلو ہو رہا ہے اور عملاً اول درجہ کی اہمیت کا جو مقام اس مسئلہ کو دے دیا گیا ہے (کہ صرف عوام ہی میں نہیں بلکہ بہت سے خواص کالعوام میں بھی فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے) تو یقیناً وہ میرے نزدیک بھی قابل انکار ہے اس کے علاوہ تیجے سے لے کر ہر سال کی برسی تک رسموں کا جو لامتناہی سلسلہ ایصال ثواب کے ماتحت ایجاد کیا گیا ہے اور جس

طرح ان رسموں کی ادائیگی ہوتی ہے۔ یہ سب تو بلاشبہ از قبیلہ بدعات وخرافات ہے، اس کا دین و مذہب سے کیا تعلق؟ بلکہ دین کے سر ان لغویات کو منڈھنا اپنی جہالت اور دین کے ساتھ سخت بدخواہی ہے۔ بہر حال اس مقالہ کی تحریر سے میری غرض ائمہ امت کے متفقہ صرف اس اصولی مسئلہ ہی کی تائید وحمایت ہے کہ۔

''زندوں کی کوششوں سے مردوں کو نفع پہنچ سکتا ہے اور ''ایصال ثواب'' کا نظریہ حق وثابت ہے''۔

مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے اس مقالہ کو سات بحثوں پر تقسیم کردیا گیا ہے۔ حضرات منکرین کے خیالات واستدلات پر بحث آخری مبحث میں کی گئی ہے۔ وَمَآ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ.

مبحث اوّل

دعا واستغفار برائے اموات

زندوں کے جن مساعی اور اعمال سے مردوں کو نفع پہنچنا وثائق دینیہ سے ثابت ہے اُن میں سے ایک ''دعا واستغفار'' ہے۔ اس کا غیر مشکوک ثبوت بے شمار احادیث کے علاوہ خود قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ ایک جگہ اولاد کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں اس طرح دعا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا

''اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پالا پوسا'' اور سورۂ نوح میں حضرت نوحؑ کی یہ دعا ہم کو سنائی گئی ہے۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.

''میرے مالک مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہیں ان کو اور سارے ہی مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے''۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی یہ دعا قرآن مجید ہی میں نقل فرمائی گئی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ

''خداوندا! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سارے مومنوں کو بخش دینا جس دن کہ حساب قائم ہو''۔

ظاہر ہے کہ ان آیتوں کے لفظ ''مومنین و مومنات'' میں زندے مردے اگلے پچھلے سب ہی اہل ایمان داخل ہیں اور سورۂ محمدؐ میں خود رسول اللہ ﷺ کو خصوصی خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

''اور اللہ سے بخشش چاہو اپنی تقصیر کی اور ایمان والوں کے لیے اور ایمان والیوں کے لیے''۔

اور سورۂ حشر میں ''سابقین اوّلین من المهاجرین والانصار'' کے بعد میں آنے والے اُن مسلمانوں کی بڑی قدر افزائی کے ساتھ مدح کی گئی ہے جو مومنین سابقین کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ . (سورۃ حشر ع ۱)

اور وہ مسلمان جو آویں ان کے بعد کہتے ہوں کہ اے ہمارے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ''۔

اور سورۂ مومن میں عرش الٰہی کے حامل فرشتوں اور اسی مقام قرب کے دوسرے ملائکہ کے متعلق اطلاع دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ تمام مومنین توابین اور ان کے آباء صالحین اور ازواج وذریات تک کے لیے اللہ سے مغفرت و رحمت کی دعائیں اور جہنم سے بچانے اور جنت میں داخل کرنے کی التجائیں کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً

وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (مومن)

''جو فرشتے کہ عرش کے حامل ہیں اور جو اس کے گرد رہتے ہیں وہ رب کی تسبیح وحمد کرتے ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس تیرے جن بندوں نے تیری طرف رخ کرلیا ہے اور تیری راہ کو اختیار کیا ہے ان کو تو بخش دے، دوزخ کے عذاب سے ان کو بچا اور جن جنّٰتِ عالیہ کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے ان میں ان کو داخل فرما اور ان کے آباؤ اجداد اور ازواج وذریات میں سے جو صالح ہیں ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرما۔ تو عزیز ہے، حکیم ہے''۔

ان آیات سے تمام اہل ایمان کے لیے (خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ) دعاو استغفار کا ثبوت کسی تقریر وتشریح کا محتاج نہیں بلکہ پہلی آیت سے تو دعاو استغفار کا صرف ثبوت ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ خاص کر والدین کے حق میں اس کا منجانب اللہ مامور ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری اور تیسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام مومنین کے لیے استغفار سیدنا نوح وابراہیم علیہم السلام جیسے پیغمبروں کی سنت ہے۔

چوتھی آیت میں خود رسول اللہ ﷺ کو تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے دعائے مغفرت کرنے کا حکم ہے، پانچویں آیت سے ظاہر ہے کہ اپنے سے آگے جانے والے اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے اور ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص امتیاز حاصل ہے اور چھٹی آیت کا مفاد یہ ہے کہ مومنین صالحین کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا حاملان عرش کا بھی مشغلہ اور تسبیح وتحمید کی طرح گویا وظیفہ ہے۔

اور چونکہ یہ چیز ان آیات قرآنیہ سے صراحتاً ثابت ہے اس لیے مسئلہ

''وصول ثواب'' سے انکار کرنے والے وہ حضرات بھی جو اس مقالہ کے خصوصی مخاطب ہو سکتے ہیں۔ ''دعا واستغفار للاموات'' کے عموماً قائل ہی ملے، البتہ صرف ایک صاحب ایسے ملے جوان آیات کی بناء پر ''دعا واستغفار'' کے تو قائل ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ان کا خیال ہے کہ اس کا فائدہ صرف دعا یا استغفار کرنے والوں ہی کو ہو گا، گویا ان کے نزدیک یہ دعا واستغفار، نماز یا تلاوت قرآن، یا ذکر اللہ کی طرح ایک مستقل عبادت ہے جس کا ثواب اس کے کرنے والے کو ہی ہو گا۔ اور جس کے لیے دعا یا مغفرت ورحمت کی التجا کی جائے، اس کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ یہ ان کے نزدیک ''لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'' جیسی آیات کے خلاف ہے۔

اللہ اکبر! ایک غلطی پر اصرار اور جمود آدمی سے کیسی بڑی سے بڑی غلطیاں کرا دیتا ہے؟ ان حضرات نے ''لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'' کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق ایک غلط معنی معین کر رکھے ہیں۔ اب اس کے خلاف قرآن وحدیث میں جو کچھ ان کو ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کی روشنی میں یہ اپنی غلط فہمی کی اصلاح کریں۔ اس کی ایسی رکیک اور غیر معقول تاویلیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے جو بداہت عقل کے بھی خلاف ہوں۔ ان کی ''روشن عقلیں'' اس لغو اور غیر معقول بات کو مان لینے کے لیے تو تیار ہو گئی ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی وہ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ قرآنی آیات میں دوسرے اہل ایمان کے لیے دعا واستغفار کا جہاں جہاں ذکر آیا ہے اس سے مراد بس دعا واستغفار کا وظیفہ پڑھنا ہے اور اس کا مقصد خود اپنے لیے وظیفہ خوانی کا ثواب حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور جن بے چاروں کے لیے ان دعاؤں میں مغفرت ورحمت بظاہر مانگی جاتی ہے ان کو اس سے کچھ بھی نفع نہیں ہوتا بلکہ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ملحوظ ہی ہوتا ہے، گویا جو کچھ اس دعا واستغفار کے موقع پر لفظوں میں کہا جاتا اور اللہ پاک سے مانگا جاتا ہے درحقیقت وہ مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ مقصود صرف اس ''وظیفہ دعائیہ واستغفاریہ'' کا ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اپنی غلط رائے پر بے جا

اصرار کر کے بدنتیجہ کی غالباً یہ بدترین مثال ہے کہ اپنے خیالات ومزعومات سے نہ ہٹنے کے لیے آدمی اللہ پاک کی طرف ایسی غیر معقول بات منسوب کرنے کی جرأت کرنے لگے۔ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○

ایسے، ہٹ دھرموں کو یقیناً ہزار دلیلوں سے بھی مطمئن کیا نہیں جاسکتا۔ اِلَّا یہ کہ خدا انہی کو ایسی توفیق دے کہ اپنے اس رویہ پر وہ خود ہی غور کریں، لیکن جو حضرات اپنی رائے اور اپنی ہویٰ کے بجائے اللہ اور رسول کی ہدایت کے اتباع ہی کو اپنا دستور بنائے ہوئے ہیں۔ یہ آیات ان کے اندر اس بات کا یقین پیدا کرنے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ اہل ایمان کے لیے ان کے مرنے کے بعد بھی مغفرت ورحمت کی دعائیں اور التجائیں اللہ پاک سے کرنا عنداللہ ایک محمود اور مطلوب عمل اور گزر جانے والوں کے ساتھ احسان و ہمدردی کی یہ ایک پسندیدہ شکل ہے جس سے ان ''رفتگان'' کو انشاء اللہ بہت کچھ نفع ہوسکتا ہے۔

قرآن پاک ان آیات بینہ کے علاوہ نماز جنازہ میں اموات کے لیے دعا واستغفار کرنا اور بعد دفن قبر پر، اور اس کے بعد بھی اوقات مختلفہ میں بالخصوص قبرستان پر گزرتے ہوئے اہل قبور کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا مانگنا، آنحضرت ﷺ سے تعلیماً وعملاً بتواتر قطعی ثابت ہے (جس کی روایات اگر جمع کی جائیں تو یقیناً سینکڑوں سے متجاوز ہوں گی[1]) اور عہد رسالت سے آج تک طبقۃً بعد طبقۃٍ ساری امت کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ غور فرمایا جائے کہ کسی مسئلہ کے حق وثابت عنداللہ ہونے کا اس سے بڑا معیار اور کیا ہوسکتا ہے۔

---

[1] حافظ ابن قیمؒ ''کتاب الروح'' میں اس بات کی چند احادیث صحاح سے نقل کرنے کی بعد لکھتے ہیں:

''وَدُعَاءُ النَّبِی صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْاَمْوَاتِ فِعْلاً وَّتَعْلِيْمًا وَدُعَاءُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ عَصْرًا بَعْدَ عَصْرٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يُّذْكَرَ وَاَشْهَرُ مِنْ اَنْ يُّنْكَرَ''.

(کتاب الروح صفحہ ۱۹۱)

''اور اموات کے لیے رسول اللہ ﷺ کا دعا فرمانا اور امت کو اس کی تعلیم دینا اور علیٰ ہذا صحابہ تابعین اور بعد کے مسلمانوں کا اپنے اپنے زمانہ میں اموات کے لیے دعا واستغفار کرنا اتنی کثرت سے منقول ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اور اس کی شہرت اتنی عام ہے کہ کوئی منکر معاند اس کا انکار بھی نہیں کرسکتا''۔

مبحث دوم

''زندوں کے ان اعمال خیر سے مردوں کا انتفاع جن کی فعلیت کا کسی طرح یہ مردے ذریعہ بنے ہوں''۔

دعاواستغفار کے علاوہ زندوں کے جن اعمال سے مردوں کا منتفع ہونا دلائل شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، ان کو ابتداً ان دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اعمال جن کا سبب کسی حیثیت سے یہ مردے بنے ہوں۔ دوسرے وہ اعمال جن کی حیثیت یہ نہ ہو۔

اس مبحث دوم میں صرف پہلی قسم کے اعمال کے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اِذَامَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ'' (مسلم ج ۲ ص ۴۱)

آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کے سارے سلسلے منقطع ہو جاتے ہیں بجز ان تین سلسلوں کے ایک وہ صدقہ جاریہ جو اپنی حیات میں وہ کر گیا۔ دوسرے علم کا کوئی ایسا سلسلہ جس سے لوگوں کو فیض پہنچ رہا ہے اور تیسرے اولاد صالح جو اس کے لیے دعا خیر کرتی رہے۔ (یعنی یہ تین سلسلے یا ان میں سے ایک دو بھی اگر مرنے کے بعد کوئی خوش نصیب چھوڑ گیا ہے تو ان سے اس کو برابر ثواب اور نفع پہنچتا رہے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو دین سکھایا، اس کے بعد یہ سکھانے والا مر گیا۔ پھر اس کے اس شاگرد نے بہت سے لوگوں کو دین سکھایا اور علیٰ ہذا اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو سینکڑوں ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی یہ علمی فیض اگر جاری رہے گا تو اس معلم اول کو بھی اس کے ثواب کا حصہ ملتا رہے گا، حالانکہ بعد میں اس تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھنا ظاہر ہے کہ اس پہلے شخص کا ذاتی عمل نہ ہوگا، لیکن اس سلسلہ خیر میں چونکہ یہ ایک واسطہ بنا تھا اس لیے اس سلسلہ کا ثواب اس کو برابر

متا رہے گا۔ یہی حال صدقہ جاریہ کا بھی ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری حدیث اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَداً صَالِحًا تَرَكَهٗ وَمُصْحَفًا وَّرِثَهٗ وَمَسْجِداً بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا عَنْ مَّالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ يَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِمَوْتِهٖ. (ابن ماجہ ص ۲۲)

''مومن کو اس کے جن اعمال حسنہ کا ثواب اور نفع مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے وہ یہ ہیں وہ علم دین جس کو وہ سکھا گیا اور پھیلا گیا، اور وہ نیک اولاد جس کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا، یا قرآن مجید کا نسخہ جو اس نے اپنی میراث میں چھوڑا، یا مسجد یا مسافر خانہ یا نہر (تالاب۔ کنواں) جو خلق خدا کی نفع رسانی کے لیے اپنی زندگی میں وہ بنوا گیا یا کوئی اور صدقہ جس کو اس نے اپنی حیات اور صحت کی حالت میں نکالا تھا۔ (اور خلق خدا کو بعد میں بھی اس سے نفع پہنچتا رہا) تو اس کا ثواب مرنے کے بعد اس کو پہنچتا رہے گا۔''

اور صحیح مسلم میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَابَعْدَه كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا يُنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عليهِ مثل وزر مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِ هِمْ شَيْءٌ.

(کتاب العلم باب من سنن سنۃ حسنۃ او سیئۃ مسلم ج ۲ ص ۳۴۱)

''جس نے اسلام میں نیکی کا کوئی طریقہ کھولا اور خیر کے کسی باب کا افتتاح کیا تو اس کو اپنی اس نیکی کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے بعد جو اور لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اجر و ثواب اس کو ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان عاملین کے ثواب

میں سے کچھ کمی کی جائے' اور علیٰ ہذا اسلام میں جس نے کسی بدی کا راستہ کھولا تو اس کو اپنی اس بدی کی سزا دی جائے گی اور اس کے بعد جتنے لوگ بھی اس برائی کو اختیار کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے بوجھوں میں کوئی کمی کی جائے''۔

اہل علم کو معلوم ہو گا کہ جریر بن عبداللہ کی اس روایت کے علاوہ بھی اس مضمون کی متعدد حدیثیں کتب صحاح میں مروی ہیں، بلکہ یہ دعویٰ بھی انشاء اللہ غلط نہ ہو گا کہ احادیث میں یہ مضمون ''حد شہرت'' کو پہنچا ہوا ہے، لیکن چونکہ منکرین وصال ثواب کی اس نوع کے عموماً قائل ہی نہیں اس لیے اس بحث کو طول دینا مناسب نہ ہو گا۔ اس باب کا اتنا ذکر بھی صرف مسئلہ کے استیعاب اور اطراف و جوانب کے احاطہ کے لیئے کر دیا گیا ہے۔

مبحث سوم

زندوں کے جن ایسے اعمال سے مردوں کو نفع یا ثواب پہنچنا نصوص شرعیہ سے معلوم ہوا ہے جن کی فعلیت کا کسی حیثیت سے بھی وہ مردے سبب اور ذریعہ نہ بنے ہوں، ان میں سے ایک تو وہ دعا و استغفار ہی ہے جس کا ذکر مبحث اول میں کیا جا چکا ہے، اور علاوہ ان آیات و احادیث کے جن کی طرف وہاں اشارات کیے جا چکے ہیں۔

اس کی ایک واضح ترین اور فعلی دلیل صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا جن کے متعلق آپ کو منکشف ہوا کہ ان کے مدفون مردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔[1] آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ہر ایک میں ایک ایک گاڑھ دیا اور جب بعض رفقاء نے آپ سے پوچھا کہ یہ آپ نے کس لیے کیا تو فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے ان مبتلائے عذاب مردوں کی آواز سنی۔۱۲۔

لعلّه يُخَفَّفُ عَنهُمَا مَالَمْ يَيبَسَا. (بخاری، مسلم، عن ابی عباسؓ)

''امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی''۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان معذبین کے لیے تخفیف عذاب کی دعا فرمائی تھی جو اس طور پر قبول کی گئی کہ تم ایک تر شاخ کو ان قبروں پر نصب کر دو جب تک وہ تر رہے گی ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے لی۔ واللہ اعلم۔ بہر حال صحیحین کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زندوں کی دعاو استغفار اور ان کے کسی عمل سے مردوں کو نفع پہنچنے کا تجربہ اس عالم میں بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی صحیح مسلم میں قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جس کے متعلق بعض خاص قرائن کی بنیاد پر حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ اس کے علاوہ اسی قسم کا دوسرا ایک واقعہ ہے[1]

☆

دعا و استغفار کے علاوہ زندوں کے جن ایسے اعمال و افعال سے مردوں کو نفع مند ہونا نصوص شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، جن کا سبب کسی طرح اور کسی حیثیت سے بھی مردے نہ ہوئے ہوں۔ وہ صدقات وخیرات اور دوسری عبادات کے ذریعہ ایصال ثواب کی صورتیں ہیں اور چونکہ زیادہ تر انکار آج کل ان ہی صورتوں کا کیا جارہا ہے۔ اس لیے اس کو کسی قدر بسط و تفصیل سے لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مبحث چہارم

جن طاعات وخیرات کے ذریعہ مردوں کو نفع پہنچانے اور باصطلاح معروف ایصال ثواب کرنے کا ارادہ کیا جائے ان کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ

---

[1] فتح الباری جزء اوّل ص ۵۹ اباب من الکبائر ان لایستتر من البول ۱۲

محض مالی ہیں (جیسے صدقہ، خیرات، قربانی وغیرہ) اور یا محض بدنی ہیں، یعنی ان میں پیسہ تو کوئی خرچ کرنا نہیں پڑتا، البتہ جسم و جان کو کچھ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے (جیسے روزہ نماز، تلاوت قرآن پاک اور ذکر اللہ وغیرہ) اور یا ان دونوں سے مرکب ہیں جیسے کہ حج، کہ اس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کے ارکان کی ادائیگی میں دوڑ دھوپ کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔

بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں قسم کی عبادات کے ذریعے فوت شدہ مومنین کو (بلکہ بعض صورتوں میں زندوں کو بھی) نفع اور ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

عبادات مالیہ کے ذریعہ ایصال ثواب

سب سے پہلے ہم خالص مالی عبادات کو لیتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَکَ مَالاً وَّلَمْ یُوْصِ فَھَلْ یُکَفَّرُ عَنْہُ (وَضبط بَعْضُھُمْ فَھَلْ یَکْفِیْ عَنْہُ) اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْہُ؟ قَالَ نَعَمْ۔[1]

''ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور اپنے ترکہ میں انہوں نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیت نہیں کی ہے تو اگر میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ خیرات کر دوں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لیے کفارہ ہو جائے گا؟ یا مطلب یہ ہے کہ کافی ہو جائے گا؟ فرمایا ہاں

یہ حدیث اثبات مدعا کے لیے کسی توضیح و تقریر کی محتاج نہیں۔ ایک شخص مر گیا ہے اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی ہے جس کے بعد قانون شرعی کے مطابق اس کا متروکہ مال وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اس کا لڑکا پوچھتا ہے کہ میں اگر اپنے مرحوم باپ کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو یہ ان کے لیے کفارہ ہو سکتا ہے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ (ج ۲ ص ۴۱) ۱۲۔

یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہاں یہ ہوسکتا ہے۔

(۲) اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے دادا عاص بن وائل نے سو اونٹوں کی قربانی کی نظر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہ کر سکے) تو ان کی طرف سے ان کے ایک بیٹے ہشام بن عاص نے پچپن اونٹ ذبح لیے۔ پھر (میرے والد) عمرو بنؓ عاص نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا (غالباً سوال کا منشاء یہ تھا کہ اگر بقیہ پینتالیس اونٹ میں ان کی طرف سے قربان کردوں تو کیا اس سے ان کو کچھ نفع ہوگا؟) آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اَمَّا اَبُوْکَ فَلَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِیْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذَالِکَ [۱]

''تمہارے باپ اگر لا الٰہ الا اللہ کے ماننے والے ہوتے (یعنی مومن) ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ و خیرات کرتے تو اس سے ان کو نفع ہوتا''

(۳) اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّهَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَلَهَآ اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ [۲]

''ایک شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی ہے اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ کچھ صدقہ کر جاتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں!''

---

[۱] کتاب الروح لابن القیم ص ۱۹۲ بحوالہ مسند احمد ۱۲۔

[۲] صحیح بخاری باب مایستحب لمن یتوفی فجاۃ ان یتصدقوا عنہ ج:۱ ص:۳۸۶ صحیح مسلم باب وصول ثواب الصدقات الی المیت ص ۳۲۴ ج:۱ و اللفظ لمسلم۔

بعض شارحینِ حدیث کو اگر چہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ سوال کرنے والے صحابی سعد بن عبادہؓ ہی تھے جن کے واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، لیکن قرائن سے علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری کی یہ رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سعدؓ کے علاوہ اور کوئی دوسرے صحابی ہیں اور یہ دوسرا واقعہ ہے واللہ اعلم ۔اور صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت سعدؓ کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح مروی ہے:

(۴) اِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اَخَابَنِی سَاعِدَةَ تُوُفِّیَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا فَهَلْ یَنْفَعُهَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُکَ اَنَّ حَائِطِی الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْهَا [۱]

''کہ سعد بن عبادہ کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ کی وفات ہوگئی [۲] تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو یہ ان کے لیے نافع ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ ''مخراف'' میری ماں پر سے صدقہ ہے''۔

نیز صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کی ایک دوسری روایت اسی سلسلہ میں یہ بھی ہے:

(۵) اِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَیْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهٖ عَنْهَا'' [۳]

۱؎ صحیح بخاری باب الاشهاد فی الوقف والصدقة والوصیة ج:۱ص:۳۸۷۔

۲؎ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام عمرہ تھا ۵ھ میں ان کی وفات ایسے وقت ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر تھے اور ان کے بیٹے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ غزوہ ہی میں تھے۔ (فتح الباری، عمدۃ القاری) ۱۲۔

۳؎ صحیح بخاری بـاب مـا یستـحب لمن توفی فجاءة ان یتصدقوا عنه وقضاء النذور عن المیت۔ ج:۱ص:۳۸۷

’’کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری والدہ فوت ہوگئی اوران کے ذمہ ایک نذر تھی (جس کو وہ ادا نہیں کرسکیں تو کیا میں ان کی طرف سے اس کو ادا کرسکتا ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! تم ان کی طرف سے اس نذر کو ادا کردو‘‘[1]

واضح رہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے، واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تو صدقہ کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر پہلی روایت میں ہے اور دوسری دفعہ نذر کے بارے میں دریافت کیا تھا اس کا ذکر دوسری روایت میں کیا گیا ہے۔

(۶) ایک تیسری روایت اس بارے میں اور بھی وارد ہوئی جس میں مذکور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کی طرف سے کون سا صدقہ زیادہ بہتر اور افضل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ’’الماء‘‘ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے پانی کا انتظام کرنا، چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک کنواں تیار کرا کے اپنی والدہ کی طرف سے اس کو وقف عام کردیا۔[2]

یہ روایت سنن نسائی وابی داؤد میں خود حضرت سعدؓ ہی سے مروی ہے، لیکن اس کی اسناد میں ایک انقطاع ہے،[3] تاہم صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایات سے متعارض یہ

۱۔ سنن نسائی کی ایک روایت سے اس نذر کے متعلق یہ تفصیل بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ نذر غلام آزاد کرنے کی تھی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد کو ان کی طرف سے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری)

۲۔ اس حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے راوی حسن بصریؒ نے یہ حدیث سناتے وقت اپنے شاگردوں سے کہا کہ فَتِلْکَ سِقَایَةُ آلِ سَعْدٍ بِالْمَدِیْنَةِ (مدینہ میں ’سقایۃ آل سعد‘ کے نام سے پانی کی جو سبیل ہے یہ دراصل وہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد نے اپنی والدہ کی جانب سے جو کنواں وقف کیا تھا بعد میں وہی ’’سقایہ آل سعد‘‘ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کی اس شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ اس حدیث کا استنادی درجہ کچھ اور بڑھ رہا ہے۔ ۱۲

۳۔ سنن نسائی اور ابی داؤد میں سعد بن عبادہؓ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ ہیں حالانکہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی وفات کے وقت بھی یہ دونوں صاحبان سن شعور کو نہیں پہنچے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان کے ایک راوی کا نام ذکر سے رہ گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح محدثین میں انقطاع کہتے ہیں۔ ۱۲

بھی نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنے باغ مخراف کے علاوہ اپنی والدہ کی طرف سے کنواں بھی وقف کیا ہو، جس طرح آج بھی لوگ اپنے ماں باپ کی طرف سے انواع واقسام کے صدقات وخیرات کے ذریعے ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔

ایصال ثواب' کے بعض منکرین، ان روایات کے اس اختلاف کو اصطلاحی ''اضطراب'' قرار دے کر حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دینے کی کوشش کرتے بھی دیکھے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ''اضطراب فی المتن'' کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی ہے۔ یہاں اضطراب کا دعویٰ اس وقت چل سکتا ہے جبکہ یہ سارے سوال و جواب جو مندرجہ بالا تینوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ایک ہی مجلس کے ایک ہی سوال و جواب کے متعلق راویوں کے مختلف بیانات ہوں، لیکن جبکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اس کو ''اضطراب'' قرار دینا اصول فن سے ناواقفی کی ہی دلیل ہے۔ اس میں کوئی استحالہ بلکہ استبعاد بھی نہیں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے مختلف دفعات میں یہ سوالات کیے ہوں اور جوابات پا کر ان کی تعمیل کرتے رہے ہوں۔ غرض یہ تینوں روایتیں جیسا کہ ان کے مضمون سے ظاہر ہے الگ الگ مستقل حدیثیں ہیں۔ وَمَنِ ادَّعیٰ خِلَافَهٗ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ.

قربانی کے ذریعے ایصال ثواب

عبادات مالیہ کے ذریعہ ایصال ثواب کا ایک واضح ثبوت وہ متعدد احادیث بھی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کا اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہوتا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک اچھے موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور اس کو ذبح کرتے وقت آپ نے کہا:

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ

(صحیح مسلم کتاب الضحایا ج:۲ ص ۱۵۶)

''اے اللہ! اس کو قبول فرما۔ میری طرف سے اور میری آل اور میری امت کی طرف سے''۔

اس بارے میں ایک دوسری حدیث حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک عید قربان کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور آیت اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِهٖ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے ذبح کیا۔ (ابوداؤد، باب ما یستحب من الضحایا)

سنن ابی داؤد کے علاوہ مسند احمد، سنن ابن ماجہ اور دارمی میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے۔ (مشکوٰۃ اور سنن ابن ماجہ اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے)

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّضَحِّیَ اِشْتَرٰی کَبْشَیْنِ عَظِیْمَیْنِ سَمِیْنَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَذَبَحَ اَحَدَهُمَا عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّالْآخَرَ عَنْ اُمَّتِهٖ مَنْ شَهِدَ لِلّٰهِ بِالتَّوْحِیْدِ وَلَهٗ بِالْبَلَاغِ

(فتح الباری پ ۲۳ ص: ۳۲۶ طبع ہند)

''رسول اللہ ﷺ کو جب قربانی کرنی ہوتی تو آپ بڑے موٹے تازے سینگوں والے سیاہی مائل سفید رنگ کے دو خصی مینڈھے منگواتے، ایک کی اپنے اور اپنے اہل بیت کی جانب سے قربانی کرتے اور دوسرے کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغ رسالت کی شہادت دیں''۔

اس مضمون کی روایت حضرت جابرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ اور بھی چند صحابہ مثلاً حضرت ابورافعؓ حضرت حذیفہؓ بن سید غفاری، حضرت ابوطلحہؓ انصاری اور حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ سے، مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مروی ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص: ۳۸)

یہ سب روایات اگرچہ بجائے خود بہ اصطلاح محدثین ''اخبار آحاد'' ہی ہیں، لیکن ان سب کے مجموعہ سے اس شخص کو جو علم حدیث سے کچھ بھی مناسبت رکھتا ہو۔ اس بات کا اضطراری یقین حاصل ہو جانا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جاب سے قربانی فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے اس قربانی کا ثواب امت کو بخشا ہے۔

اس کے متعلق بعض منکرین کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''خصوصیت'' تھی محض بے دلیل دعویٰ ہے۔ کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ حضرت علیؓ کا معمول تھا کہ وہ عید قربان پر ایک مینڈھے کی قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی دوسروں کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں۔ ورنہ اگر قربانی کے ذریعہ دوسروں کو ثواب پہنچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوتی تو آپ حضرتؓ علی کو اس کی وصیت نہ فرماتے۔

بعض منکرین اس روایت کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس لیے صحیح تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے تھی، تو وہ گویا حضرت علیؓ کا نہیں بلکہ آپ ہی کا فعل تھا، لیکن یہ صریح مغالطہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے پاس اس کام کے

ل یہاں ایک دلچسپ قابل ذکر لطیفہ یہ ہے کہ بعض منکرین کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے یہی کہا کہ حضرت علیؓ کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تھی اس لیے وہ گویا حضور ہی کا عمل ہوا اور اس لیے اس کا ثواب آنحضرت کو ملنا صحیح ہے، لیکن یہ کہنے کے باوجود وہ اس کے قائل نہیں ہوئے کہ اس طرح اگر آج کوئی مرنے والا اپنے کسی عزیز کو ایصال ثواب کی وصیت کر جائے اور وہ صدقہ وغیرہ سے ایصال ثواب کرے تو یہ ثواب اس مردے کو پہنچے گا۔۱۲

لیے کوئی رقم تو جمع کی ہی نہیں تھی۔ پس آنحضرت ﷺ کا فعل صرف وصیت ہے اور قربانی حضرت علیؓ کا عمل ہے اور بحث اس قربانی ہی کے اجر و ثواب میں ہے۔ پس یہ قربانی جو حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اپنے مال سے کرتے تھے جب ہی صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اصولاً اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ ایک کے صدقہ اور ایک کی قربانی کا ثواب اور نفع دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔

ورنہ اگر یہ اصول نہ مانا جائے، جیسا کہ ہمارے مخالفین کا خیال ہے، تو پھر حضرت علیؓ کی قربانی ہی غلط ہوگی، بلکہ معاذ اللہ حضور ﷺ کی وصیت بھی غلط ہوگی۔ بہر حال یہ یہاں نکتہ قابل غور ہے کہ وصیت نے یہاں ایصال ثواب کو صحیح نہیں کیا ہے، بلکہ یہ وصیت ہی ''ایصال ثواب'' کی بنیاد پر صحیح ہوسکتی ہے۔ (تاملوا فان الفرق دقیق)

بہر حال مذکورۂ بالا احادیث کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قربانی کی یہ وصیت اور حضرت علیؓ کا دائمی عمل اس امر کا ثبوت ہے کہ ہم دوسروں کی طرف سے مالی عبادات کر سکتے ہیں۔ یعنی اپنے صدقات و قربانی وغیرہ دوسروں کو بخش سکتے ہیں۔ بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے بہت سے اعمال خیر کیے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف سے متعدد عمرے کیے۔ (فتح الملہم ج:۲ص:۳۹)

نیز آنحضرت ﷺ کے سوا دوسروں کی جانب سے بھی اس قسم کے اعمال خیر کرنے کا ثبوت صحابہ کرام سے ملتا ہے، علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ناقل ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اعْتَقَتْ عَبْدًا عَنْ اخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ مَاتَ وَلَمْ يُوْصِ. (عمدۃ ج۱۴ص۵۵)

''امام حدیث ابن المنذر کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ چیز پایہ ثبوت

کو پہنچ چکی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی وفات کے بعد ان کی طرف سے بغیر ان کی کسی وصیت کے ایک غلام آزاد کیا''۔

نیز اسی عمدہ (شرح بخاری) میں علامہ عینی ایک دوسری جگہ محدث ابن ماکولا کی تخریج سے حضرت انسؓ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

اَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ اِنَّا نَدْعُوْلِمَوْتَانَاوَنَتَصَدَّقُ عَنْهُمْ وَنَحُجُّ فَهَلْ يَصِلُ ذَالِكَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّهُ يَصِلُ اِلَيْهِمْ وَيَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالْهَدْيَةِ (عینی ج ۸ ص ۲۲۲)

''کہ میں نے (انسؓ نے) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے جو دعائیں کرتے ہیں اور جو صدقہ خیرات یا حج ان کی جانب سے کرتے ہیں تو کیا یہ ان کو پہنچ جاتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں پہنچتا ہے اور جس طرح تم لوگوں کو کوئی ہدیہ پاکر خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہارے ان تحفوں سے تمہارے ان مردوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے''۔

ان تمام احادیث سے جو یہاں تک درج کی گئیں کتنے واضح طور پر ثابت ہے کہ مالی عبادات، صدقات وخیرات اور قربانی وغیرہ اگر مردوں کی طرف سے ہی کی جائیں تو یہ شرعاً درست ہے، ان سے مردوں کو نفع اور ثواب ہونا برحق ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ بتلایا اور آپ کی تعلیم کے مطابق صحابہ نے اس پر عمل کیا۔ عہد نبویؐ میں بھی اور اس کے بعد بھی۔

☆

صدقات وخیرات وغیرہ مالی عبادات کا ثواب مردوں کو بخشنے اور اس سے ان کو نفع پہنچنے کا یہ ثبوت چونکہ نہایت واضح اور غیر مشکوک ہے، اسی لیے جن ائمہ سلف کو بدنی عبادات، نماز، روزہ، تلاوت قرآن مجید وغیرہ سے ایصال ثواب میں کلام بھی ہے، وہ بھی مالی عبادات میں قائل ہیں۔ بہرحال کم از کم مالی عبادات کی حد تک یہ مسئلہ

ہمیشہ سے جمہور امت میں متفق علیہ رہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' کے مقدمہ میں امت کے جلیل القدر امام، عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کیا ہے کہ ابو اسحٰق طالقانی نے جب ان سے مشہور حدیث اِنَّ مِنَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لَا بَوَیْکَ مَعَ صَلٰوتِکَ وَتَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِکَ کے متعلق سوال کیا تو اس کی اسناد میں انقطاع ہونے کی وجہ سے[1] اس حدیث کو تو انہوں نے مجروح قرار دیا، مگر ساتھ ہی فرمایا وَلٰکِنْ لَّیْسَ فِی الصَّدَقَةِ اِخْتِلَافٌ (یعنی صدقہ کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا متفق علیہ ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔) اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طرف سے اجماع کی شہادت کتنا وزن رکھتی ہے امام نووی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اس قول کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مَعْنَاهُ اَنَّ هٰذَا الْحَدِیْثَ لَا یُحْتَجُّ بِهٖ وَلٰکِنْ مَنْ اَرَادَ بِرَّ وَالِدَیْهِ فَلْیَتَصَدَّقْ عَنْهُمَا فَاِنَّ الصَّدَقَةَ تَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ وَیَنْتَفِعُ بِهَا بِلَا خِلَافٍ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (نووی شرح مقدمہ مسلم ص:۱۲)

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق ابو اسحاق نے سوال کیا وہ تو قابل احتجاج نہیں ہے، لیکن جو کوئی اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرے، کیونکہ صدقہ کا ثواب اور نفع موتی کو پہنچنے میں اہل اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

---

[1] اس حدیث کو ابو اسحاق نے شہاب بن خراش سے انہوں نے حجاج بن دینار سے روایت کیا ہے، آگے حجاج بن دینار اس کو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ وہ اتباع تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کم از کم دو واسطے ضرور رہوں گے بس یہی وہ بات ہے جس کا نام محدثین کی اصطلاح میں انقطاع ہے اور عبداللہ بن مبارک نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔۱۲ منہ۔

مبحث پنجم

نماز روزہ وغیرہ بدنی عبادات کے ذریعہ ایصال ثواب

بدنی عبادات کے بارے میں خود ائمہ اہل سنت میں مشہور اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کو (بنا بر قول مشہور) اس سے انکار ہے کہ نماز روزہ وغیرہ بدنی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچ سکے، لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ وخیرات اور حج وقربانی کی طرح نماز روزہ اور تلاوۃ قرآن مجید وغیرہ جملہ بدنی عبادات کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ سکتا ہے اور امام ابن قیم نے ''کتاب الروح'' میں اس مسلک کو جمہور سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ص:۱۸۸)

اگر چہ اس بارے میں مالی عبادات کی طرح دلائل بالکل یک طرفہ اور فیصلہ کن نہیں ہیں (اور اسی وجہ سے اس میں ائمہ سلف کی دو رائیں ہوگئی ہیں) تاہم جو حضرات اس کے قائل ہوئے ہیں وہ دلائل ہی سے قائل ہوئے ہیں اور یہ دلائل اتنے قوی ہیں کہ امام بیہقیؒ جو امام شافعیؒ کے غالباً سب سے بڑے وکیل اور حامی ہیں۔ انہوں نے بھی اس بارے میں ان دلائل کی ہی بناء پر امام شافعیؒ کی تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اموات کی طرف سے مالی عبادات کی طرح ہی بدنی عبادات کا بھی کرنا اور اموات کو ان سے بھی نفع اور ثواب پہنچنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس لیے یہی حق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں امام بیہقیؒ سے ناقل ہیں۔

''قال البیهقی فی الخلافیات هذه المسئلة ثابتة لا اعلم خلافاً بین اهل الحدیث فی صحتها فوجب العمل بها. ثم ساق بسنده الی الشافعی قال کل ماقلت وصح عن النبی ﷺ خلافه فخذوا بالحدیث ولا تقلدونی'' (فتح الباری جزء ۷، ص: ۲۸۵)

''یہ مسئلہ یعنی اموات مسلمین کی طرف سے نماز روزہ کرنا صراحۃً حدیث

سے ثابت ہے اور اس کے ثبوت کی صحت کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، محدثین میں کوئی اختلاف ہو لہٰذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے (اور کیوں نہ ہم اس کو اختیار کریں جبکہ) خود امام شافعی کا ارشاد ہے کہ میں جو کچھ کہوں اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس حدیث پر عمل کیا جائے اور ہرگز ہرگز پھر میرے فتویٰ کی تقلید نہ کی جائے''۔

امام شافعیؒ نے بعض ان احادیث پر مفصل کلام بھی کیا تھا جن سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ امام بیہقیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''معرفۃ السنن والآثار'' میں (جس کا موضوع ہی گویا حنفیت کے مقابلہ میں شافعیت کی حمایت ہے) اپنے امام کے اس کلام کا مفصل اور مدلل جواب دیا ہے۔ امام شافعیؒ کے اس کلام اور امام بیہقیؒ کے جواب کو حافظ ابن القیم نے کتاب الروح (ص:۲۲۲) میں بھی نقل کیا ہے۔

بہر حال اگر چہ واقعہ ہے کہ ''بدنی عبادات'' کے ذریعہ ایصال ثوب کے بارہ میں مالی عبادات کی طرح نہ تو ائمہ کا اتفاق ہے اور نہ دلائل ہی ویسے یک طرفہ اور فیصلہ کن ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں نصوص بالکل نہ ہوں اور صرف مالی عبادات پر قیاس کر لیا گیا ہو۔ جیسا کہ بہت سوں کا خیال ہے، بلکہ اس بارے میں مستقل احادیث موجود ہیں اور وہ ایسی صریح اور قوی ہیں کہ ان کی بنیاد پر امام شافعیؒ کے بیہقیؒ جیسے زبردست حامی اور وکیل نے بھی اس مسئلہ میں ان کا ساتھ چھوڑ دینا ضروری سمجھا اور متاخرین شافعیہ کا تو عام رجحان ہی اس طرف ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ احادیث صحیحین میں بھی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ .

(صحیح بخاری کتاب الصوم، ج:۱ص:۲۶۲ وصحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیت ج:۱ص:۳۶۲)

''جو شخص ایسی حالت میں مر جاوے کہ اس کے ذمے کچھ روزے ہوں تو

اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھتا ہے''۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

جَاءَ تِ امْرَأَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَیْھَا صَوْمُ نَذْرٍ اَفَاَصُوْمُ عَنْھَا قَالَ اَرَأَیْتِ لَوْکَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ فَقَضَیْتِہٖ اَکَانَ یُؤَدِّیْ ذٰلِکِ عَنْھَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَدَیْنُ اللّٰہِ اَحَقُّ اَنْ یُّقْضٰی قَالَ فَصُوْمِیْ عَنْ اُمِّکِ . (رواہ البخاری، ج:۱،ص:۲۶۲، والمسلم ج:۱،ص:۳۶۲، واللفظ لہ)

''ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ذمہ نذر کے کچھ روزے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ، اگر تمہاری ماں پر کچھ قرضہ ہوتا اور تم اس کو ادا کردیتیں تو کیا ان کی طرف سے وہ قرضہ تو ادا ہوجاتا۔ سائلہ نے عرض کیا ہاں، آپؐ نے فرمایا تو (اسی طرح) اپنی ماں کی طرف سے روزے بھی رکھ سکتی ہو''۔ اور صحیح مسلم کے مذکورۂ بالا باب ہی میں حضرت بریدہؓ صحابی سے مروی ہے۔

بَیْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْاَتَتْہُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنِّیْ تَصَدَّقْتُ عَلٰی اُمِّیْ بِجَارِیَةٍ وَاِنَّھَا مَاتَتْ قَالَ فَقَالَ وَجَبَ اَجْرُکِ وَرَدَّھَا عَلَیْکِ الْمِیْرَاثُ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ کَانَ عَلَیْھَا صَوْمُ شَھْرٍ اَفَاَصُوْمُ عَنْھَا قَالَ صُوْمِیْ عَنْھَا قَالَتْ اِنَّھَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ اَفَاَحُجُّ عَنْھَا قَالَ حُجِّیْ عَنْھَا.

(صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیت، ج:۱،ص:۳۶۲)

''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی ایک کنیز اپنی والدہ پر صدقہ کردی تھی (یعنی بہ نیت ثواب ہبہ کردی تھی) اور اب میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں ہبہ کا ثواب مل گیا اور قانون وراثت کے ذریعہ اب وہ باندی پھر تمہاری ملکیت میں آگئی۔ پھر اس عورت نے ذکر کیا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے

روزے بھی تھے تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، ان کی طرف سے روزے رکھ دو"۔

پھر اس عورت نے عرض کیا کہ میری والدہ نے کبھی حج نہیں کیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! حج بھی ان کی طرف سے کردو"۔

روزے کے بارہ میں یہ تینوں روایتیں بالکل صاف اور صریح ہیں، البتہ ان کے بارہ میں چند چیزیں توضیح طلب ہیں۔

اوّل یہ کہ درمیان کی حدیث جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اس کی مختلف روایات میں چند اختلافات ہیں جن کی بنیاد پر قاضی عیاض وغیرہ نے اس کو "مضطرب" قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں باوجود اپنی سخت شافعیت کے ان اختلافات کو حل کر کے اضطراب کو اٹھایا ہے اور حدیث سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، ص: ۲۵۵ جزء ۷)

لیکن اگر حافظ ابن حجرؒ کا حل کسی کو مطمئن نہ کر سکے تو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ روایتوں کا وہ اختلاف صرف حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں ہے، باقی حضرت عائشہؓ اور بریدہؓ کی دونوں حدیثیں صاف ہیں۔ وَ کفٰی بھما حُجّۃً۔

دوسری بات قابل ذکر یہاں یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے بعض اقوال پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک موتی کی طرف سے روزے تو نہیں رکھے جا سکتے اور نہ نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں ہاں صدقہ دیا جا سکتا ہے (جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالک کی رائے ہے) اس آثار کو عبدالرزاق، نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔
(فتح الباری، ص: ۲۸۵ جزء ۷)

اس کے متعلق ایک گزارش تو یہ ہے کہ امام بیہقی نے "کتاب المرفۃ" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ابن عباسؓ کے ان فتووں کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وفی ماروی عنهما فی النھی عن الصوم عن المیت نظر

''صوم عن المیت سے نہی کے بارے میں حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوؤں کی روایات محل نظر ہیں''۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

ان الآثار المذکورۃ عن عائشۃ رضہ وعن ابن عباس رضہ فیھا مقال ولیس فیھا مایمنع الصیام اِلَّا الاثر الذی عن عائشۃ وھو ضعیفٌ جدًا

''حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان آثار میں کلام ہے، نیز ان میں میت کی جانب سے روزوں کی صریح ممانعت بھی نہیں نکلتی، ہاں حضرت عائشہ والے اثر میں بے شک صریح ممانعت ہے، لیکن وہ اسنادی حیثیت سے بالکل ہی ضعیف ہے''۔

خیر یہ جواب تو اسناد وعلل کے مباحث سے متعلق ہے۔ دوسرا آسان اور صاف جواب (بنا بر تسلیم یہ ہے کہ صحیحین کی جو مرفوع حدیثیں اوپر پیش کی گئیں، جن سے موتٰی کے لیے روزے رکھنا صراحۃً ثابت ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما وابن عباس کے وہ اقوال جن میں اموات کی جانب سے روزے نماز کی نفی کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک ان میں توفیق وتطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اثبات کی احادیث کو ''ایصال ثواب'' پر محمول کیا جائے اور نفی والے آثار کو ''نیابت'' پر۔ گویا ہماری پیش کردہ صحیحین کی احادیث کا منشاء یہ ہو کہ روزے نماز کے ذریعے اموات کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے اور حضرت عائشہ وابن عباس کے فتوؤں کا مطلب یہ لیا جائے کہ نماز روزے میں زندے، مردوں کی نیابت نہیں کر سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں کے ذمے روزے یا نمازیں فرض ہوں اور وہ ادا کیے بغیر مر جائیں تو ان کے زندے پسماندگان ان کی طرف سے وہ فرض روزے رکھ دیں اور نمازیں پڑھ دیں تو ان مرنے والوں کا فرض اتر جائے، جیسا کہ نیابت کا مقتضیٰ ہے۔ اس توجیہ سے تعارض وتناقض سرے سے اُٹھ جاتا ہے اور ''ایصال ثواب'' ونیابت کا یہ فرق ہے بھی بالکل واقعی۔ فقہ

نی میں تو یہ چیز صراحت کے ساتھ اسی طرح مذکور ہے۔ صاحب ''درمختار'' کے قول ''وان صام او صلے عنه لا'' کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

معناه لایجوز قضاء عما علی المیت والافلو جعل له ثواب الصوم والصلوٰۃ یجوز.

''کہ یہ اس کا مطلب ہے کہ میت کے ذمے جو نمازیں یا روزے فرض تھے ان کی ادائیگی کے خیال سے زندوں کا اس کی جانب سے روزے رکھنا یا نمازیں پڑھنا صحیح نہیں ہے لیکن اگر روزے رکھ کے یا نمازیں پڑھ کے اس کو ثواب پہنچا دے تو یہ جائز ہے''۔

بہر حال مذکورۂ بالا احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ تطبیق کسی کے دل کو نہ لگے، تو پھر ترجیح ہی کا راستہ اختیار کرنا ہوگا، اور ظاہر ہے کہ دو تین صحابیوں کے ان اقوال کے مقابلہ میں جن کے ثبوت میں بھی محدثین کو کلام ہے۔ صحیحین کی مندرجہ بالا مرفوع حدیثوں پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔

ناظرین کو یہاں اسی چیز سے ذہول نہ ہو کہ حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما کے جن آثار کے متعلق یہ بحث ہے ان میں اگرچہ موتی کی طرف سے نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی نفی کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، تو اصل بحث (یعنی مسئلہ ایصال ثواب) میں یہ آثار بھی ہمارے خلاف نہیں، بلکہ موافق ہی ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس مقالہ میں ہمارے اصل مخاطب وہی حضرات ہیں جن کو مطلق ایصال ثواب سے انکار ہے عبادات بدنیہ کے متعلق تو ہم خود ہی عرض کر چکے ہیں کہ ان کے ذریعہ ایصال ثواب خود ائمہ سلف میں مختلف فیہ ہے۔

اموات کے لیے نماز اور اس کے ذریعہ ایصال ثواب

اموات مسلمین کے لیے نماز پڑھنے اور اس کے ذریعہ ان کو نفع اور ثواب پہنچانے کے بارے میں بھی متعدد صحابہ کرامؓ کے آثار کتب احادیث میں مروی ہیں مثلاً امام بخاری صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ ابن عمر و حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں۔

وَاَمَرَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَةً جَعَلَتْ اُمُّهَا عَلٰى نَفْسِهَا صَلٰوةً بِقُبَاءَ فَقَالَ صَلِّي عَنْهَا، وقال ابن عباس نحوهٗ باب من مات وعليه نذرٌ .

(صحیح بخاری، ج:۲،ص:۹۹۱)

''کہ ایک عورت جس کی ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی اور اس کی ادائیگی سے پہلے وہ مرگئی تو عبداللہ بن عمر نے اس کی بیٹی کے دریافت کرنے پر اس کو حکم دیا کہ ماں کی طرف سے وہ خود نماز پڑھے'' ۔[۱]

آگے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ''وقال ابن عباس نحوه ''(اور عبداللہ ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا ہے)

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک سلسلہ کلام میں فرمایا:

مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَاءِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَيَقُوْلَ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ . (باب فی ذکر البصرۃ کتاب الملاحم ج۲ص۲۳۶)

''کون ہے جو میرے لیے اس کا ذمہ لے لے کہ وہ مسجد عشا میں میرے واسطے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے یہ ابو ہریرہ کے لیے ہے ۔[۲]

ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے ذریعے اموات کی نفع رسانی اور ایصال ثواب کے مسئلہ سے بھی صحابہ کرامؓ پوری طرح آشنا تھے اور اس کو صحیح سمجھتے تھے۔

---

[۱] حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے کی ممانعت بھی روایت کی گئی ہے (جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے) ہمارے نزدیک ان اقوال کے اس ظاہری تعارض کا حل یہی ہے کہ نیابتاً ادا کرنے سے تو ممانعت کی گئی ہے اور نماز روزے کے ذریعے ایصال ثواب کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس روایت کے دو راویوں (ابراہیم بن صالح اور ان کے والد صالح بن درہم) میں اکثر محدثین نے کلام کیا ہے لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (بذل المجہود ج۵ص۱۰۹)

اور اصل تو یہ ہے کہ جب عبادات کے متعلق اصولی طور پر یہ ثابت ہو چکا کہ زندے اگر چاہیں تو اپنی عبادتوں کا ثواب اموات کو ہدیہ کر سکتے ہیں۔ تو پھر فقہی نظر میں ہر نوع کی عبادت کے لیے مستقل اور الگ الگ دلیل کی ضرورت نہیں۔

مبحث ششم

اموات کی طرف سے حج

خالص مالی اور خالص بدنی کے علاوہ عبادت کی جو ایک تیسری قسم ہے جس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت مشقت بھی پڑتی ہے (جیسے کہ حج) تو اس کے ذریعہ اموات کی نفع رسانی اور ایصال ثواب کے متعلق بھی متعدد صریح احادیث کتب صحاح ہی میں مروی ہیں۔ ازاں جملہ ایک تو حضرت بریدہؓ کی وہی حدیث ہے جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابھی بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک عورت نے چند مسئلے پوچھے جن میں آخری مسئلہ یہ تھا کہ میری والدہ بغیر حج کیے فوت ہو گئی ہیں کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تم ان کی طرف سے حج ادا کرو (صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیت ج۔ا ص ۳۶۲) دوسری حدیث حج کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو صحیح بخاری میں بایں الفاظ مروی ہے:

ان امراءۃً مِنْ جُهَيْنَةَ جاءَ تْ اِلى النَّبِی ﷺ فقالت اِنَّ اُمِّیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فلم تحج حتّٰی مَاتت اَفَاَحُجَّ عَنْهَا قال حجی عنها اَرَائیتِ لَوْ كَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ اَکُنْتِ قَاضِیَۃً اقضوا اللہ فاللہ اَحقُّ بالوفاء۔ [1]

(ج: ۱، ص ۲۵۰)

''کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی

---

[1] اس حدیث کی مختلف روایات میں کچھ معمولی سے اختلافات ہیں جن کی وجہ سے اس کے اضطراب کا ۔۔ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مفصل کلام کر کے اس اختلاف کو حل کیا ہے۔ (فتح الباری، ص: ۲۲۱ جزء ۷)

کہ میری والدہ نے حج کی نذر کی تھی اور وہ اس کے پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں بیشک تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا بتاؤ اگر تمہاری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں یا نہیں۔ پس ایسے ہی اللہ کا جو حق ان پر تھا (یعنی حج) اس کو بھی ادا کرو۔ اللہ پاک تو ادائیگی حقوق کا اور زیادہ مستحق ہے''۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اموات کی طرف سے حج بھی کیا جا سکتا ہے اور آخری حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد نے کہ ''جس طرح اموات کی طرف سے قرضے ادا کیے جا سکتے ہیں اور وہ ادا ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ کا قرض بھی ادا کیا جا سکتا ہے''۔ اس مسئلہ کو ایک اصولی حیثیت دے دی ہے۔

یہاں اس چیز کا واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ خالص بدنی عبادات کے اموات کے لیے کرنے نہ کرنے اور ان کے نافع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تو اگرچہ ائمہ سلف میں اختلاف ہوا ہے (جیسا کہ مذکور ہو چکا) لیکن حج کے بارہ میں صدقہ خیرات ہی کی طرح ان میں اس امر پر بالکل اتفاق ہے کہ اموات کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے اور اس سے اموات کو نفع اور ثواب پہنچتا ہے۔ اگرچہ پھر بعض نے اس کو مطلقاً تسلیم کیا ہے اور بعض کے نزدیک یہ حکم کچھ قیود اور شرائط کے ساتھ مشروط ہے جس کی تفصیلات ''فتح الباری'' وغیرہ شروح حدیث اور مبسوطات فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

واضح رہے کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ان دونوں حدیثوں (حدیث بریدہؓ اور حدیث ابن عباس) کے علاوہ چند اور حدیثیں صحیحین اور سنن میں اس مضمون کی بھی موجود ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے ایسے معذور اور بے دست و پا بوڑھوں کے متعلق سوال کیا گیا جو سفر اور نقل و حرکت کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتے کہ کیا ان کی طرف سے کوئی دوسرا ان کا آدمی حج ادا کر سکتا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

اس قسم کے متعدد واقعات احادیث صحیحہ میں مروی ہیں، نیز احادیث سے اس کا بھی بیّن
..دت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں اس طرح دوسروں کی طرف سے حج کیا گیا۔ حدیث کی
..نداول ہی کتابوں میں اس موضوع پر مستقل ابواب ہیں، لیکن چونکہ اس مقالہ میں ہماری
اصل بحث اموات کی طرف سے اعمال خیر کرنے اور ان کیلئے اس کے نافع ہونے ہی
ے متعلق ہے اس لیے ان احادیث کو ہم نے یہاں درج نہیں کیا ہے اگر چہ اتنی اصولی
بات ان احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے عمل سے دوسرے مسلمان
کو نفع اور ثواب پہنچا سکتا ہے اور اسی اصل پر مسئلہ ''ایصال ثواب'' کی بنیاد ہے۔

اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور علمی بحث بھی یہاں قابل ذکر ہے جس سے اس
مسئلہ کے سلجھاؤ میں ناظرین کرام کو مدد مل سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

نیابت کی صحت کے لحاظ سے عبادات کی تقسیم

دوسروں کی طرف سے اعمال خیر کرنے کے بارہ میں جو مختلف احادیث
وارد ہوئی ہیں ان میں غور کر کے اکثر مجتہدین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ''عبادات'' دو قسم
کی ہیں۔ ایک وہ جن میں نیابت کی گنجائش ہے یعنی جن کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو
مکلّف کی طرف سے کوئی دوسرا نیابتہً ادا کر دے تو وہ ادا ہو جاتے ہیں جیسے کہ بندوں
کے آپس کے مالی حقوق، قرضہ جات وغیرہ کا حال ہے (مثلاً زید کو عمرو کے ہزار
روپے دینے ہیں تو اب اگر زید کی طرف سے، مثلاً اس کا بھائی بکر، یہ ایک ہزار
روپے عمرو کو ادا کر دے تو زید کے اوپر سے اتر جاتے ہیں، پھر خواہ بکر کی طرف سے
یہ ادائیگی زید کی زندگی میں ہوئی یا زید کے مرنے کے بعد، بہر حال قرضہ زید کی
طرف سے ادا ہو جاتا ہے) تو یہی حال اللہ پاک کے بعض حقوق بندگی (یعنی بعض
عبادات) کا ہے کہ بطور نیابت اگر ان کو مکلّف کی طرف سے کوئی دوسرا شخص
(بالخصوص معذوری کی حالت میں) ادا کر دے تو مکلّف ہی کی طرف سے اس کی

ادائیگی ہو جاتی ہے۔ یعنی پھر مکلف کے ذمہ سے وہ حق اتر جاتا ہے اور دوسری قسم کی عبادات وہ جن میں اس طرح کی نیابت نہیں چل سکتی۔

پھر جن مجتہدین نے کل عبادات کی یہ دو قسمیں سمجھیں ہیں (اور انہیں میں سے فقہائے حنفیہ بھی ہیں) قریباً وہ سب اس پر متفق ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً روزہ، نماز وغیرہ میں نیابت نہیں چل سکتی۔

لیکن خالص مالی عبادات مثلاً صدقہ وخیرات اور قربانی وغیرہ میں، نیز ان عبادات میں بھی جو مالی اور بدنی دونوں قسم کی قربانیوں پر مشتمل ہوں جیسے کہ حج تو ان سب میں اپنے شرائط کے ساتھ نیابت صحیح ہے یعنی خاص حالات میں دوسروں کے ادا کر دینے سے بھی مکلف کے سر سے اس کا بوجھ اتر جائے گا اور فرض ادا ہو جائے گا۔ جیسا کہ قرضہ وغیرہ آپس کے مالی حقوق کا حال ہے۔ پھر یہ تفریق صرف ''نیابت'' میں ہے۔ ایصال ثواب اس کے علاوہ چیز ہے۔

''ایصال ثواب'' میں خود اس مردے کے فرض کی ادائیگی اور اس کی طرف سے نیابتہً اس عمل کا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اپنے کیے ہوئے عمل کا صرف اس کو ثواب پہنچانا پیش نظر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دوسری چیز ہے۔ اور یہ تو دعائے خیر اور دعائے رحمت کی طرح کا صرف ایک حسن سلوک اور میت کے ساتھ احسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے وہ فقہاء جو بدنی عبادات نماز، روزہ وغیرہ میں نیابت کے قائل نہیں ہیں (مثلاً فقہاء حنفیہ) وہ انہی عبادات کے ذریعے ''ایصال ثواب کے قائل ہیں۔

نتیجہ بحث

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو صرف مسئلہ کو سلجھانے کے لیے یہاں ذکر کر دیا گیا۔ اب اصل مسئلہ کے متعلق مذکورۃ الصدر دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بطور حاصل مدعا کے دو باتیں عرض کرنی ہیں:

الف: اتنی بات تو دعاء واستغفار کے متعلق وارد شدہ قرآن پاک کی واضح آیات سے

ثابت ہے کہ اموات کو زندوں کے دعاء و استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اور یہ استغفار ان مردوں کا اپنا عمل نہیں ہے، بلکہ ان کی نفع رسانی کے لیے زندوں ہی کا عمل ہے۔ اس سے منکرین کی یہ بنیاد تو بالکل ڈھے جاتی ہے کہ کسی آدمی کو کسی دوسرے آدمی کی کسی سعی اور کسی عمل سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ غرض اس سالبہ کلیہ کو تو (جس کو یہ منکرین اپنی خوش فہمی سے قرآن کی طرف منسوب کرتے ہیں) خود قرآن مجید کی آیات بینات نے توڑ دیا۔

ب: ''مبحث دوم'' سے لے کر یہاں تک، عبادات مالیہ، عبادات بدنیہ اور مرکبہ کے متعلق جتنی احادیث پیش کی گئی ہیں وہ سب اگر چہ بجائے خود بہ اصطلاح محدثین ''اخبار آحاد'' ہیں اور اگر چہ ان کے مضامین اور متضمنات الگ الگ ہیں، لیکن بطور ''قدر مشترک'' کے اتنی بات ان سب سے معلوم ہوتی ہے کہ ''زندہ مسلمان اپنے اعمال خیر کے ذریعہ مردہ مسلمانوں کو نفع اور ثواب پہنچا سکتے ہیں اور یہ نفع اور ثواب مردوں کو پہنچنا برحق ہے''۔ تو اس مسئلہ کی بنیاد صرف ''خبر واحد'' کے درجہ کی ظنی حدیثوں پر نہیں رہی، بلکہ ''قدر مشترک والے تواتر'' سے اس کا ثبوت ہوا اور اہل علم جانتے ہیں کہ ''تواتر قدر مشترک'' بھی ''تواتر اسنادی'' ہی کی طرح موجب علم یقین ہوتا ہے۔[1]

---

[1] تواتر قدر مشترک ''تواتر'' کی چار قسموں میں سے ایک ہے اور اس کی حقیقت جو علماء اصول نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مختلف واقعات کو مختلف اشخاص مثلاً نقل کریں، لیکن ان واقعات اور ان مختلف خبروں میں کوئی امر کلی مشترک ہو یعنی وہ بات ان تمام مختلف واقعوں اور خبروں سے یکساں طور پر مفہوم ہوتی ہو تو اگرچہ ان واقعات اور ان خبروں کی تفصیلات پر ہمیں یقین نہ ہو، لیکن ''اس امر کلی مشترک'' کا ہم کو بالکل یقین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ہماری روایتی معلومات میں یہ ہے کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی فقر پسندی اور سادہ زندگی، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے دور خلافت میں بھی درویشانہ زندگی اور حضرت خالدؓ کی جنگی مہارت یہ سب چیزیں جن مختلف منقولہ واقعات سے سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب بجائے خود ''اخبار آحاد'' ہی ہیں اور اس لیے ان میں سے ہر واقعہ بجائے خود صرف ظنی ہی ہے، لیکن ان واقعات سے بطور قدر مشترک جو یہ نتیجے نکلتے ہیں یہ اہل علم کے نزدیک بلاشبہ یقینی ہیں۔ یہ یقین جس چیز نے پیدا کیا بس اسی کا نام ''تواتر قدر مشترک'' ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقدمہ فتح الملہم ص: ۶ (۱۲)

نیز اس مسئلہ کو تواتر عملی بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفصیلات اور جزئیات میں اختلاف کے باوجود نفس اصولی مسئلہ میں گویا جمہور اہل اسلام اور تمام ائمہ سلف کا اجماع اور اتفاق ہے جیسا کہ مختلف مکاتب خیال کے علماء متقدمین و متاخرین کی کتابیں شاہد ہیں اور سب سے بڑی شہادت دوسری صدی ہجری کے جلیل القدر امام حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ہے جو ''صحیح مسلم'' کے حوالہ سے مقالہ ہذا کی مبحث چہارم کے آخر میں درج ہو چکی ہے۔

پس کتاب و سنت کے ان واضح دلائل، صحابہ کے آثار، ائمہ سلف کے اجماع و اتفاق اور پوری اسلامی تاریخ کے عملی تواتر کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ ''زندوں کے کسی سعی و عمل سے مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا'' ایک حیرت انگیز جسارت ہے۔ واضح رہے کہ ہمارا زور اور ہمارا اصرار بھی صرف اتنے ہی اصول پر ہے جس کو تواتر اور اجماع کی قوت حاصل ہے۔ باقی جن تفصیلات و جزئیات میں اوپر بھی اختلاف ہوا ہے ان کے کسی پہلو پر خود ہم کو بھی اصرار نہیں ہے۔

یہاں تک ہمارا کلام نفس مسئلہ کے ثبوت پر تھا۔ اب ہم حضرات منکرین کے ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس بارہ میں ان کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں:

مبحث ہفتم

منکرین کے دلائل یا شبہات

ابتدائی تمہیدی سطروں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مسئلہ میں منکرین کو چند آیات سے بھی مغالطہ لگا ہے اور اس لیے وہ اپنی غلط فہمی سے اس انکار کو قرآن پاک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ان آیات پر ہم کو تفصیل سے کلام کرنا ہے، لیکن اس سے پہلے ان کے ایک دو اصولی شبہوں کا جواب دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو وہ خود بھی پہلے نمبر پر پیش کیا کرتے ہیں:

پہلا شبہ: یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ایصال ثواب کی تعلیم نہیں دی گئی اور جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے کہا جاتا ہے تو پھر وہ چیز دین میں کَانْ لَمْ یَکُنْ شَیْئاً مَذْکُوْراً کا حکم رکھتی ہے اور بالکل بے اصل چیز ہے۔[1]

حیرت ہے کہ اتنا بڑا اور اتنا اہم دعویٰ کتنی سادگی اور بے پروائی سے کر دیا گیا ہے۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ شاید اس عبارت کے حوالہ قلم کرتے وقت صاحب مضمون سے الفاظ کے انتخاب میں غیر ارادی طور پر چوک ہو گئی ہے ورنہ غالباً ان کا مقصد اتنا عام دعویٰ کرنا نہ ہوگا جس سے دین کی ساری عمارت ہی درہم برہم ہو جاتی ہو۔

اور چیزوں کو جانے دیجیے صرف نماز ہی کو لے لیجیے جو دین کا رکنِ رکین اور افضلِ عبادات ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قرآن میں تو صراحۃً یا اشارۃً یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ فجر میں اتنی رکعت پڑھی جائیں، ظہر میں اتنی، عصر میں اتنی اور مغرب و عشاء میں اتنی اتنی، نیز قرآن اس سے بھی خاموش ہے کہ ایک ایک وقت کی نماز میں کتنے رکوع ہوں، کتنے سجدے، کتنے قعدے اور پھر کہاں کہاں کیا کیا پڑھا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ ان سب سوالات کا تعلق اعلیٰ درجہ کی عبادت نماز ہی سے ہے اور قرآن ان تمام امور سے خاموش ہے۔ (ہاں! احادیث اور اسوۂ رسول سے یہ سب چیزیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی پر ساری امت کے عمل کی بنیاد ہے) تو اگر نئی روشنی کے اجتہاد کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے کہ:

''جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہے تو پھر وہ چیز دین میں ''کان لم یکن شیئا مذکورا'' اور بالکل بے اصل ہے''۔

تو نماز تک کی کوئی متعین شکل نہیں ہو سکتی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا بہت ممکن ہے کہ جن صاحب نے مسئلہ ایصال ثواب پر

---

[1] انکار ایصال ثواب پر رجب و شعبان ۱۳۶۳ھ کے ''الفرقان'' میں صوبہ بہار کے ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا یہ اسی کا اقتباس ہے۔۱۲

کلام کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں ان کی مراد اتنی عام نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ گمراہی سخت جاہلانہ ہونے کے باوجود آج کل عام ہے اور کتنے ہی بی۔ اے، ایم۔اے پاس قسم کے نئی روشنی کے مجتہدین ہیں جو اس قسم کے مضامین پڑھ پڑھ کر ہی دین کے ساتھ تلاعب کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کی علمی بدتمیزی کی عبرت ناک مثال دیکھنی ہو تو پنجاب کے ایک منکر حدیث صاحب کا صرف ایک رسالہ ''صلوٰۃ المرسلین'' دیکھنا کافی ہوگا جو کئی سال ہوئے ان صاحب نے ''نظامی پریس بدایوں'' میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی نماز کو غیر قرآنی، بلکہ قطعاً خلاف قرآن ثابت کرنے کے بعد اپنی طرف سے نماز کا ایک نیا طریقہ اس دعوے کے ساتھ پیش کیا تھا کہ یہی قرآنی نماز ہے اور انبیاء و مرسلین بس ایسی ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

بہر حال اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ عقائد و عبادات کے متعلق جو چیز قرآن میں مذکور نہ ہو وہ دین میں بے اصل ہے تو سارا دین ایک متعین دستور حیات ہونے کے بجائے آوارگان عصر کی آرزوؤں کے مطابق محض ایک مبہم فلسفہ ہو کر رہ جائے گا، جس کی نہ نماز متعین ہوگی نہ روزہ نہ کچھ اور، مجھے معلوم ہے کہ جن صاحب کی عبارت اوپر منقول ہوئی ہے وہ خود اس خیال کے نہیں ہیں، بلکہ نماز وغیرہ کے جو ارکان اور تفصیلات صاحب نبوتؐ سے ثابت ہیں وہ ان سب کو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ پس ان سے عرض کرنا یہ ہے کہ جب نماز کے ارکان اور اس کے متعلق دیگر ضروری چیزوں سے قرآن مجید کے خاموش ہونے کے باوجود ارشادات نبوی اور اسوۂ نبوی سے ہم یہ چیزیں لیتے ہیں اور ان کو حجۃ دین سمجھتے ہوئے واجب العمل جانتے ہیں تو پھر اسی سرچشمہ سے اگر ''ایصال ثواب'' جیسے مسائل معلوم ہوں (حالانکہ ان کی اہمیت کو نماز اور اس کے متعلقات کی اہمیت سے کوئی نسبت نہیں ہے) تو پھر وہ کیوں قابل اتباع نہ ہوں گے۔

علیٰ ہذا یہ حضرت اس کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ بہت سی حرام غذاؤں کے حرمت کے بیان سے قرآن خاموش ہے (حتیٰ کہ کتے کی حرمت بھی قرآن شریف

میں کہیں صاف بیان نہیں کی گئی ہے) اور یہ سب چیزیں صاحب نبوت ہی کے ارشادات اور آپ کے اسوہ ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور اس بارے میں جو کچھ آپ سے ثابت ہو جائے وہ سب واجب الاتباع ہے۔ تو ایصال ثواب جیسے مسائل میں قرآن مجید اگر خاموش ہو، لیکن سنت نبوی ناطق ہو تو کیوں وہ احکام نبوی واجب الاتباع نہ ہوں گے۔ اگر صحیح غور وفکر سے کام لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہاں کوئی اور درمیانی راہ نہیں ہے۔ صرف دو ہی راہیں ہیں ایک یہ کہ ''ماجاء من عنداللہ'' یعنی وحی الٰہی کو صرف قرآن میں منحصر مانا جائے اور صاف کہہ دیا جائے کہ جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اس اصول پر تو ہر اس چیز کے امر دینی سے انکار ہی کرنا صحیح ہوگا جو قرآن میں بیان نہ کی گئی ہو خواہ وہ کسی باب کی ہو۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ "ماجاء من عنداللہ" کو قرآن میں منحصر نہ سمجھا جائے، بلکہ مانا جائے کہ اللہ کے رسول پر قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی اور اس لئے دین کے کسی شعبہ میں بھی اگر آنحضرت ﷺ سے کوئی حکم اور کوئی بات قابل وثوق طریقہ سے ثابت ہو جائے تو اس کو واجب الاتباع مان کر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا عبادات سے، معاملات سے متعلق ہو یا حلال وحرام سے، قرآن اس سے خاموش ہو یا اس کے بارہ میں ناطق۔ بہر حال یہ مان لینے کے بعد کہ دین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ صرف اوامر الٰہیہ کے ترجمان تھے اور قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر وحی ہوتی تھی (جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اسی وحی سے نماز وغیرہ کی تفصیلات متعین ہوئی ہیں) اس قسم کے نظریات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ:

''قرآن جن چیزوں سے خاموش ہو اور ان کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہو تو وہ دین میں سرے سے بے اصل اور کان لم یکن شیاء مذکورا ہیں۔''

پس اگر ایصال ثواب کی تعلیم سے قرآن مجید خاموش بھی ہے، لیکن سنت نبوی سے صرف صحیح اسانید ہی کے ساتھ نہیں، بلکہ ''بہ تواتر قدر مشترک'' وہ ثابت ہے،

پھر امت کے عملی تواتر اور ائمہ دین کے تمام طبقات فقہاء و مجتہدین، محدثین و مفسرین کے اجماع و اتفاق نے اس کے ثبوت کو اور بھی زیادہ قطعی اور یقینی کر دیا ہے تو یقیناً وہ حق ہے۔ وما ذا بعد الحق الا الضلال۔

دوسرا شبہ: دوسرا شبہ اسی قسم کا یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ''ایصال ثواب'' کا نظریہ صحیح ہوتا تو عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں اس پر عام طور سے عمل کیا جاتا، حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں ایصال ثواب کا معمول ہو اور لوگ عام طور سے ایسا کرتے ہوں۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں اموات کی طرف سے اور ان کی نفع رسانی کے لیے صدقہ و خیرات کرنے قربانی کرنے، غلام آزاد کرنے، حتی کہ روزہ نماز اور حج کرنے کے متعدد واقعات ہماری پیش کردہ روایات سے معلوم ہو چکے ہیں اور نفس مسئلہ کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی بلکہ کافی سے زائد ہے۔

علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ سے اس قسم کی کسی چیز کا عام طور سے منقول نہ ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ کبھی اس کو کرتے ہی نہ تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جن امور میں اعلان و اظہار اور تداعی مطلوب ہو جیسے کہ مثلاً فرض نمازوں کا جماعت سے مسجدوں میں پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سارے کام چونکہ علی الاعلان کرنے کے ہیں اس لیے ایک دوسرے کو اس کا علم ہونا اور پھر نقل کیا جانا قرین قیاس ہے، لیکن جن کاموں کی یہ حیثیت نہیں ہے مثلاً غریب پڑوسیوں اور غریب عزیزوں قریبوں کے ساتھ کچھ سلوک کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا وغیرہ وغیرہ جن میں اخفا ہی بہتر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کاموں کا اظہار و اشتہار چونکہ مناسب نہیں اس لیے دوسروں کے علم میں وہ بہت کم آ سکیں گے اور اس واسطے ان کی نقل و روایت بھی نہ ہو سکے گی۔ صحابہ کرامؓ کا عام طرز یہ تھا کہ اس قسم کے کاموں میں وہ اخفاء کو پسند فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی قسم کے دینی کاموں کے علاوہ اس قسم کی انفرادی نیکیاں ان سے بہت زیادہ منقول نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ

تابعین میں ایسا ہوتا تو ضروری منقول ہوتا، کیونکہ اعلان وتداعی کے ساتھ اجتماعی طور پر جو کام کیے جائیں ان کا منقول ہو کر ہم تک پہنچنا عقلاً وعادتاً ضروری ہے، لیکن ہماری بحث صرف اصولی مسئلہ میں ہے۔ مروجہ تیجہ دسواں چالیسواں وغیرہ جیسی لغو اور جاہلانہ رسموں کے غلط بلکہ بدعت ومعصیت ہونے میں کوئی صاحب علم شک کرسکتا ہے؟

الحاصل، عہد نبوی اور قرنِ صحابہ میں ''ایصال ثواب'' کے عملی واقعات کا ثبوت جو کم ملتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کرام ''ایصال ثواب'' اور اموات کی نفع رسانی کے لیے کوئی عمل کیا ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کام چونکہ ان ہی نیکیوں میں سے ہے جن کو چھپا کر کرنا چاہیئے اور اعلان واظہار اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس کو اعلان واظہار کے ساتھ نہیں کیا اور اس لیے اس کے واقعات ہم تک کم پہنچے، بلکہ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ جو چند متفرق واقعات احادیث سے معلوم بھی ہوتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے نقل وروایت میں آ گئے ہیں کہ کسی صحابی نے مثلاً آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا، یا اسی طرح کسی صحابی سے سوال کیا گیا اور انہوں نے جواب دے دیا ، یا کوئی اور ایسا ہی محرک پیش آ گیا تو اظہار کر دیا گیا۔

● بہر حال واقعات اور جو آنحضرت ﷺ کے ارشادات اس سلسلہ میں کتب احادیث میں درج ہو گئے ہیں وہ بھی سوالات کی کھود کرید، یا کسی اور محرک کی وجہ سے ظاہر ہو گئے ہیں، ورنہ شاید ان پر بھی پردہ پڑا رہتا۔ مثلاً حضرت سعدؓ کا اپنی والدہ کی طرف سے کنواں اور باغ وقف کرنا، یا بعض اور صحابہ اکرام کا حضرت سے صدقہ عن المیت اور حج عن المیت وغیرہ کے متعلق سوال کرنا اور اس پر عمل کرنا یا حضرت علیؓ کو دو قربانی کرتا دیکھ کر کسی شخص کا ان سے دریافت کرنا کہ یہ دو قربانی آپ کس لیے کرتے ہیں؟ اور حضرت علیؓ کا بتلانا کہ دوسری قربانی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں سوال کرنے والوں

کی کھود کرید نے ظاہر کیں۔ الغرض صحابہ کرامؓ کے حالات سے یہ بہت ہی مستبعد ہے کہ وہ اموات کے لیے کوئی نیک کام کریں اور دوسروں کو جتلائیں کہ یہ ہم فلاں کو ثواب پہنچانے کے لیے کرر ہے ہیں۔ بہر حال ایصالِ ثواب کے عملی واقعات کے کم منقول ہونے کی اصل وجہ یہی ہے، نہ یہ کہ اس باب میں وہ کچھ کرتے ہی نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

آیات قرآنی سے مغالطہ

آخر میں ہم ان آیات کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جن کو پڑھ پڑھ کر یہ حضرات منکرین دوسروں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں یا وہ خود ہی ان کے بارہ میں مغالطے میں ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی آیت جس کو یہ حضرات اپنی خوش فہمی سے نظریہ ''ایصال ثواب'' کے خلاف گویا نص قطعی سمجھتے ہیں سورۂ والنجم کی یہ مشہور آیت ہے۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى

''انسان کے لیے بس وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا''

''لیکن اگر سلامت فہم کے ساتھ معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ غلط فہمی دور ہوسکتی ہے یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' پر جو ''ل'' ہے یہ آیا ملکیت کے لیے ہے یا انتفاع کے لیے؟ پہلی صورت میں آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ ''انسان صرف اپنی ہی سعی و محنت اور اپنی ہی کمائی کا مالک ہے۔ دوسروں کی محنت اور کمائی کا وہ مالک نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ نظریہ ''ایصال ثواب'' کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان چونکہ اپنی سعی و عمل کا مالک و مختار ہے اس لیے اس کو حق ہے کہ وہ اپنی چیز دوسرے کو ہدیہ کر دے۔ بہر حال اس آیت میں ''ل'' اگر ملکیت کا مانا جائے تو مسئلہ ایصال ثواب کے لیے یہ آیت مخالف تو کیا ہوتی کچھ مؤید اور موافق ہی ہو گی اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ''ل'' کا استعمال زیادہ تر ملکیت ہی کے لیے ہوتا ہے اور

قرآن مجید میں اس کا بیشتر استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔

اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے یعنی ''ل'' کو انتفاع کے لیے لیا جائے تو آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ:

''انسان کو اپنی ہی سعی و محنت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی اپنی ہی کمائی اس کے کام آتی ہے''۔

پھر اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حصر محض اضافی اور عرفی ہے۔ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے اور آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا کسی دوسری چیز سے مطلقاً کوئی نفع ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ یہ بات از روئے قرآن اور از روئے مشاہدہ دنیا کے لحاظ سے بھی غلط ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص محنت کر کے کماتا ہے اور بہت سوں کو کھلاتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ ہدیے دیتا ہے۔ خود قرآن مجید بھی کمائی کرنے والوں اور دولت پیدا کرنے والوں کو جا بجا حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے دوسرے حاجت مندوں اور فقراء و مساکین کو نفع پہنچائیں۔ علیٰ ہذا قرآن بتلاتا ہے کہ ایک شخص مر جائے تو اس کے کمائے ہوئے مال و دولت سے اتنا ماں کو، اتنا باپ کو اتنا اتنا بیٹوں اور بیٹیوں کو ملے گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ احکام قرآنی سے اور بھی اس کی دسیوں بیسیوں نظیریں نکالی جا سکتی ہیں کہ اس دنیا میں ایک کی سعی و محنت سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ علیٰ ہذا آخرت کے متعلق بھی قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کے علاوہ اللہ پاک کی خاص رحمت اور اس کے فضل و کرم سے بھی بہت سوں کو بہت کچھ ملے گا نیز باذن خداوندی شفاعت کا نافع ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، علیٰ ہذا انبیاء و صالحین اور ملائکہ مقربین کا اہل ایمان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرنا بلکہ خود اللہ پاک کا اس دعا و استغفار کے لیے حکم دینا بھی قرآن پاک ہی سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دعائیں لغو اور بے کار نہ جائیں گی۔ بلکہ اللہ پاک کے یہاں قبول ہو

کران اہل ایمان کی مغفرت ورحمت اور رفعت درجات کا ذریعہ بنیں گی اور یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اللہ پاک کا یہ رحم وکرم فرمانا اوراعمال کی نپی تلی جزا کے علاوہ محض اپنے فضل سے کچھ اور انعامات سے نوازنا بندہ کی اپنی سعی اور اپنی کمائی نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کا فعل ہے اسی طرح آخرت میں مقربین کی شفاعت اور اس دنیا میں زندوں کا دعا واستغفار کرنا یہ بھی دوسروں ہی کا فعل ہے اور ان سب سے نفع پہنچنا نصوص قرآن سے ثابت۔ پس یہ کلیہ کہ کسی انسان کو اپنی سعی ومحنت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے کوئی نفع نہیں پہنچتا دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے حق میں بھی از روئے قرآن غلط ثابت ہوا۔

لہٰذا ''ل'' کو اگر انتفاع کے لیے مانا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ آیت میں جو حصر کیا گیا ہے یہ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے، بلکہ یہ حصر اضافی اور عرفی ہے۔ یعنی آیت کا مقصد انسان کی اپنی سعی کے علاوہ جمیع ماسویٰ کی نافعیت کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے ان چند غلط فہمیوں کو دفع کرنا مقصود ہے جن میں بہت سی قومیں اور بہت سے گروہ اس وقت مبتلا تھے اور اب تک مبتلا ہیں۔ مثلاً بنو اسرائیل سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ نبیوں کی اولاد ہیں اس لیے ہم جنت میں جائیں گے یا مثلاً مشرکین عرب کا خیال تھا کہ ہمارے دیوتاؤں کا جو اللہ سے خاص تعلق ہے بس یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہو جائے گا اور اسی طرح عیسائی سمجھتے تھے کہ یسوع مسیح سولی پر چڑھ کر ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر چکے ہیں اس لیے ان کی یہ قربانی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ ہندوستان میں بھی برہمن پنڈت آج تک اسی قسم کی توہمات میں مبتلا ہیں تو ''ل'' کو انتفاع کے لیے ماننے کی صورت میں آیت کو حصر عرفی پر محمول کر کے ماننا پڑے گا کہ آیت کا منشاء بس اس قسم کے توہمات اور بے اصل خیالات کی نفی کرنا ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ آدمی اس قسم کی غلط فہمیوں اور جھوٹی امیدوں میں مبتلا نہ رہے کہ میرے باپ دادا یا میرے بزرگ اور پیشوا چونکہ نیک اور خدا کے مقرب بندے تھے اس لیے

ان کے تعلق اوران کی برکت کی وجہ سے میں بھی بخشا جاؤں گا اوران کے نیک اعمال مجھے بھی جنت میں لے جائیں گے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہرؓا اوراپنے دوسرے اقارب سے فرمایا تھا کہ ''عمل کرو! عمل! اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ میرا خونی رشتہ اور میرا قرابتی وخاندانی تعلق تمہیں نجات دلا لے گا''۔

الغرض حصر عرفی کی اس تقدیر پر آیت کا مدعا صرف مذکورہ بالا قسم کی کراہانہ اور بے اصل اوہام کی تردید کرنا ہی ہوگا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کی کریمانہ رحمت ومغفرت مقربین کی شفاعت، انبیاء ملائکہ اور مومنین کی دعاء واستغفار اور علیٰ ہذا ایصال ثواب کی صحیح صورتوں کی نافعیت سے اثباتاً یا نفیاً اس آیت کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اوراس طرح کا حصر اضافی وعرفی ہر زبان کے محاورات کلام میں اور خصوصاً قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہے۔ بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حصر زیادہ تر اضافی وعرفی ہی استعمال ہوتا ہے۔ہم صبح سے شام تک بارہا بولتے ہیں ''میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا'' ''میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا''۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا''۔ ''میرے پاس اس چیز کے سوا کچھ نہیں ہے''۔''میرے پاس سوائے فلاں شخص کے کوئی نہیں آیا''۔اس قسم کی صدہا مثالیں ہیں جو ہماری زبانوں پر روزمرہ آتی رہتی ہیں اور مراد حصر عرفی ہی ہوتا ہے اوراگر کوئی بدذوق شخص گفتگو کے وقت اس قسم کے جملوں سے حصر منطقی مراد لے کر بحث کرنے لگے تو اس کو جاہل اور ناقابل خطاب سمجھا جائے گا۔

خود قرآن مجید میں بھی تلاش کرنے سے اس کی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ان میں سے چند یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ. (سورۂ نور ع ۷)

''رسول کے ذمہ سوائے صاف صاف اور کھلی کھلی تبلیغ کے اور کچھ نہیں''۔

ظاہر ہے کہ اگر اس حصر کو منطقیوں کا سا اصطلاحی حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول کے ذمہ سوائے تبلیغ کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے ذمہ نماز

روزہ حج قربانی وغیرہ سارے ہی دوسرے فرائض بھی ہوتے ہیں۔اس لیے سب کے نزدیک اس میں حصر اضافی ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو مومن وصالح بنا دینا رسول کے ذمہ نہیں بلکہ بس پیغام ہدایت پہنچا دینا ان کا کام ہے۔(واضح رہے کہ اس مضمون کی قریباً دس بارہ آیتیں قرآن مجید میں ہیں)

(۲) اِنَّمَا يُوْحىٰ اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (سورۂ انبیاء ع آخر)

''میری طرف تو بس یہ ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، بس ایک ہی معبود برحق ہے''

اس آیت میں بھی اگر منطقی قسم کا حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حکم توحید کے سوا اور کسی امر کی بھی وحی رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہوتی تھی حالانکہ یہ غلط ہے اور ایسا غلط کہ اس پر عقیدہ رکھنا کفر۔اس لیے یہ حصر بھی سب کے نزدیک اضافی اور عرفی ہی ہے، یعنی الٰہیات کے بارہ میں مشرکین کے جو مزعومات تھے بس ان کی ہی نفی مقصود ہے (یہ مضمون بھی قریب قریب ان ہی الفاظ میں قرآن پاک میں بہت سی جگہ ادا کیا گیا ہے)

(۳) قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ. (انعام ع ۱۸)

''اے رسول! آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا وہ جانور جو خدا کی نافرمانی میں غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو''۔

اس آیت میں اگر حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شریعت اسلامیہ میں بجز ان چار چیزوں کے اور سب چیزوں کا کھانا جائز ہے۔گویا بلی، کتے سارے درندے پرندے، حشرات الارض وغیرہ وغیرہ میں سے کسی کا کھانا بھی حرام نہیں۔ حالانکہ یہ بالبداہت باطل ہے اور سب کے نزدیک یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے اور

صرف ان چیزوں کی حرمت کی نفی مقصود ہے جن کو مشرکین عرب نے اپنی توہم پرستی سے حرام مان رکھا تھا۔ (یہ مضمون بھی قرآن پاک میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے۔)

(۴) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.
(اعراف ع ۲۳)

''کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے پاس بھیجے ہوئے رسول کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو سوا اس کے کچھ نہیں کہ صاف صاف ڈرانے والے ہیں''۔

اس آیت کے آخری جزو میں بھی اگر حصر کلی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول صرف نذیر (ڈرانے والے) ہیں اور اس ڈرانے کے سوا ان کا کوئی کام اور کوئی وصف نہیں ہے حالانکہ قرآن ہی ان کے اور بہت سے کام اور بہت سے اوصاف بیان کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ بشیر ہیں، شاہد ہیں، خاتم النبیین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، مزمل ہیں مدثر ہیں۔ مومنین کے ساتھ رؤف ہیں رحیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے۔ یعنی کفار و مشرکین کو حضور ﷺ کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں اور حضورؐ پر جو بہتان وہ لگاتے تھے پس ان کی نفی مقصود ہے نہ کہ ''انذار'' کے علاوہ تمام دوسری واقعی صفات کی (یہ مضمون بھی قرآن پاک میں قریباً ایسے ہی لفظوں میں دسیوں بیسیوں جگہ مذکور ہوا ہے)

''مشتے نمونہ از خروارے'' صرف ان ہی چند آیتوں کی طرف یہاں اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ حصر اضافی و عرفی کی اور بھی ایسی صدہا مثالیں محض قرآن کریم ہی سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

حصر کی مخصوص تعبیرات کے علاوہ ''خالص نفی'' کی بھی ایسی بہت سی مثالیں قرآن میں مل سکتی ہیں کہ بظاہر ایک چیز کی مطلقاً نفی کی جارہی ہے، لیکن مقصود اس کے کسی خاص پہلو اور کسی خاص نوع کی نفی کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں متعدد جگہ قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

لَا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ

''نہ اس دن میں کوئی خرید وفروخت ہوگی نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ کوئی شفاعت''۔

حالانکہ ایمانی دوستی اور للّٰہی محبت کا قیامت کے دن کار آمد ہونا اور علیٰ ہذا باذن خداوندی اہل ایمان کے لیے شفاعت کا ہونا خود قرآن مجید سے ثابت اور مسلمات دین میں ہے، اس لیے سب کے نزدیک ان آیات میں اسی دوستی اور اسی شفاعت کی نفی کی گئی ہے، جو اللہ پاک کے مقررہ قانون اور اسکی مرضی کے خلاف ہو۔

پس انہی آیات کی طرح ''لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ''اور اس جیسی دوسری آیات کے متعلق بھی سمجھنا چاہیے کہ ان میں حصر اور نفی کلی نہیں ہے اور ان کا مطلب اور مفاد یہ نہیں ہے کہ انسان کی اپنی سعی ومحنت کے علاوہ کوئی دوسری چیز مطلقاً اس کے کام ہی نہیں آسکتی۔ عرض کیا جاچکا اور بہ دلائل ثابت کیا جاچکا کہ یہ مطلب خود نصوص قرآنی کے خلاف ہے (اللہ کی رحمت کا کام آنا۔ شافعین کی شفاعت کا نافع ہونا، پس ماندگان کے دعا واستغفار سے مردوں کو فائدہ پہنچنا خود قرآن سے ثابت کیا جاچکا ہے) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ حصر کلی نہیں ہے بلکہ آیات مندرجہ بالا کی طرح یہاں بھی حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور مطلب بس یہ ہے کہ اپنے نسبی بزرگوں یا پیروں، پیشواؤں کی نیک عملی کے فائدہ مند اور ذریعہ نجات ہونے کے بارے میں مختلف قوموں اور گروہوں کے جو گمراہانہ خیالات اور بے بنیاد جھوٹی امیدیں ہیں وہ سب غلط ہیں، ایک کی کمائی دوسرے کے کام نہیں آئے گی بلکہ اپنی ہی سعی ومحنت ہر ایک کے کام آئے گی۔

الغرض مذکورہ بالا وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ (اگر ''ل'' اس آیت میں انتفاع کیلئے ہے تو) اس سے صرف ان غلط توہمات کی تردید مقصود ہے جن میں لوگ مبتلا تھے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی اس آیت کا ''مسئلہ ایصال ثواب'' سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں رہتا۔

یہاں تک جو کچھ بحث کی گئی ہے اگرچہ اس کا تعلق سورۂ والنجم کی آیت

''لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی '' سے ہی تھا، لیکن اسی سے ان تمام دیگر آیات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جو منکرین ایصال ثواب کی طرف سے اس کے علاوہ پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً:

''لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ''

''ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے اور اس پر انہی گناہوں کا وبال ہے جو اس نے کیے''۔

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ

''بروز قیامت ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا''۔

ھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

''تم کو صرف تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا''۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا

''جو کوئی نیک عمل کرے گا تو وہ اپنے لیے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اسی پر اس کا وبال ہوگا''۔

یہ اور ان جیسی اور بھی جو آیات ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس قانون عدل کا اظہار مقصود ہے کہ آدمی اپنے ہی اعمال کے ثواب و عذاب کا حق دار اور ذمہ دار ہے کسی کے نسبی رشتہ یا روحانی تعلق کی بنیاد پر دوسروں کی نیک عملی سے وہ اپنی نجات کی امیدیں نہ باندھے اور نہ یہ امید رکھے کہ میرے گناہوں کی سزا کسی اور پر ڈال دی جائے گی۔ علیٰ ہذا یہ بھی نہ سمجھے کہ بیگناہ کیے یا گناہ کے حساب سے زیادہ کسی کو سزا دی جائے گی۔

بہر حال ان آیات میں بھی جہاں جہاں حصر کیا گیا ہے وہ بھی حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور ان کا کوئی تعلق نفیاً یا اثباتاً مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے۔ علیٰ ہذا سورۂ ''طور'' کی آیت کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَھِیْنَۃٌ کا مقصد بھی اللہ پاک کے اسی قانونِ عدل کو واضح کر کے سلسلہ جز اور سزا کے متعلق انہی گمراہانہ خیالات کی

تردید کرنا ہے جن میں لوگ عام طور سے مبتلا تھے۔ بہر حال ان آیات سے بھی یہ نتیجہ نکالنا کہ آدمی کو اپنے کسب وعمل اور اپنی ذاتی سعی ومحنت کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً فائدہ نہیں پہنچ سکتا'' اپنی ہی خوش فہمی ہے اور اس سلب کلی کے خلاف خود نصوص قرآن اور دیگر ادلہ شرعیہ ناطق ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس عبارت کو ''بذل المجھو دشرح سنن ابی داؤد میں باب ''ما جاء فی الصدقة عن المیت '' کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

من اعتقدان الانسان لا ینتفع الابعمله فقد خرق الاجماع فان الا مّة قداجمعوا علٰی ان الانسان، ینتفع بدعاء غیره وهو انتفاع بعمل الخیر وایضًا انه علیه الصلٰوة والسّلام یشفع لاهل الموقف فی الحساب ثم لاهل الجنة فی دخولها ثم لاهل الکبائر فی الاخراج من النارو هو انتفاع بسعی الغیرو کذاکل نبی وصالح له شفاعة وذالک انتفاع بعمل الغیر و ایضا الملٰئکة یدعون ویستغفرون لمن فی الارض وذالک منفعة بعمل الغیر وایضًا عنه تعالٰی یخرج طائفة من النار ممن لم یعمل خیراً قط بمحض رحمة وهذا انتفاع من غیر سعیهم وایضًا اولاد المومنین یدخلون الجنة بعمل ابآئهم وذالک انتفاع بمحض عمل الغیر وکذالک المیت ینتفع بالصدقة منه وبالعتق عنه بنص السنة والاجماع وهومن عمل غیره وانه یسقط الحج المفروض عن المیت بحج ولیه عنه بنص السنة وکذاتبرء ذمة الانسان من دیون الخلق اذاقضاها عنه قاض وذالک انتفاع بعمل الغیرو کذالک الصلوٰة والدعاء له فیها ینتفع بها المیت وهی من عمل الغیر ونظائر ذالک کثیرة لاتحصٰی''.

جس کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا اور کسی چیز سے کوئی نفع نہ ہوگا وہ امت کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ساری امت کا ان چند اصولوں پر اتفاق ہے انسان کو دوسروں کی دعا سے فائدہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ حساب چکانے کے لیے تمام اہل محشر کی سفارش فرمائیں گے۔ نیز مستحقین جنت کے حق میں داخل جنت کی اور بہت سے بڑے گناہگاروں کیلئے دوزخ سے نکالنے کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا آنحضرتؐ کی اس شفاعت سے بہرہ اندوز ہونا دوسرے ہی کی سعی سے نفع کی صورت ہے۔ علیٰ ہذا مختلف لوگوں کے لیے دیگر انبیاء وصالحین کا شفاعت کرنا بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسی طرح اس دنیا کے مسلمانوں کے لیے ملائکہ کا دعا واستغفار کرنا اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا (جو ثابت شدہ امر ہے) انتفاع بعمل الغیر ہی کی ایک جزئی ہے۔ نیز (احادیث کثیرہ کی بنیاد پر) یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکالے گا جن کے پاس (بجز ادنیٰ درجہ ایمان کے) کوئی نیک عمل نہ ہوگا اور بلاشبہہ یہ بھی اپنی ذاتی سعی وعمل کے سوا سے ہی انتفاع کی صورت ہے ایسے ہی یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اہل ایمان کے بچے بھی اپنے والدین کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور یہ بھی غیر ہی کے عمل سے انتفاع ہوا۔ اسی طرح اگر میت کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے تو اسکا نافع ہونا بھی سنت صریحہ ثابتہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ نیز میت کی طرف سے اگر اس کا ولی حج کردے تو میت کی جانب سے حج کا ادا ہو جانا بھی سنت صریحہ سے معلوم ہوا ہے۔ ایسے ہی کسی آدمی پر قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی دوسرا ادا کردے تو مدیون کی طرف سے ادا ہو جانا اور اسکا بری ہو جانا بھی شریعت اسلامیہ میں ایک ثابت شدہ مسئلہ اور امت کا مسلمہ ہے اور یہ بھی دوسروں ہی کے سعی وعمل سے انتفاع ہوا۔ پھر اس سب کے علاوہ مردوں پر نماز جنازہ

پڑھنا اور اس میں ان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرنا اور ان کے حق میں اس کا نافع ہونا ایک مسلّمہ امر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی دوسروں ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے اور ان کے علاوہ بھی اس کی بہت سی نظریں ہیں جن کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی اس عبارت سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ منکرین ایصال ثواب کا یہ اِدّعا کہ ''انسان کو اپنے ذاتی سعی و عمل کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا''۔ دین کے کتنے مسلّمہ مسائل کے خلاف ہے، جن میں سے بعض نصوصِ قرآن سے اور بعض سنت و اجماع سے ثابت ہیں پھر اپنی اس خوش فہمی کو قرآن مجید کے سر منڈھنا ان کی کتنی خطرناک جسارت ہے۔

درحقیقت جن آیات کی طرف وہ اس مضمون کو منسوب کرتے ہیں ان کا صحیح مطلب اور مفاد وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا۔ جس کے بعد ادلہ شرعیہ میں کوئی تضاد اور تدافع نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ یہ آیات جن سے منکرین ایصال ثواب استناد کرتے ہیں ان کے متعلق جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ (بلکہ ان میں سے بعض تو بشہادت سیاق و سباق صرف عذاب و سزا ہی کے پہلو سے ہے) لیکن بخوف طوالت یہاں ہم نے اس قسم کی تمام تفصیلات سے صرف نظر کر کے اتنی ہی جوابی بحث کو کافی سمجھا ہے۔

ایک عقلی مغالطہ

آخر میں منکرین کے ایک عقلی مغالطہ کا ذکر کر کے اور اس کا جواب دے کہ اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خود کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ایسا ہی ناقابل فہم اور غیر معقول ہے جیسا کہ خود کھانا کھا کے اللہ سے یہ عرض کرنا کہ جو کھانا میں

نے کھایا ہے اس سے فلاں بھوکے کا پیٹ بھر جائے یا سردی کے موسم میں خود گرم کپڑے اوڑھ کے یہ کہنا کہ ان کپڑوں کی گرمی فلاں ننگے شخص تک پہنچ جائے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ نہایت ہی عامیانہ سفسطہ ہے۔ اگر اس مادی عالم میں اس کی مثال تلاش کرنی ہے تو سیدھی مثال یہ ہے کہ ایک شخص صبح سے شام تک خود محنت کرتا ہے اور جو مزدوری اس کو حاصل ہوتی ہے وہ بجائے اپنے اوپر ہی خرچ کرنے کے کسی اور کو دے دیتا ہے یا اپنی آمدنی سے کسی دوسرے بے چارہ کا قرضہ ادا کر دیتا ہے یا خود محنت کر کے کھانا تیار کرتا ہے اور کسی دوسرے صاحب حاجت کو کھلا دیتا ہے۔ فرمایئے اس میں کیا علمی اشکال ہے؟ بلکہ احادیث میں اسی قسم کی مثالوں سے اس مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے۔

اور اگر ان حضرات کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں، نیک اعمال اور جزائے اخروی کی مثال بس کھانا کھانے اور اس سے لذت اندوز ہونے اور شکم سیر ہوجانے کی سی ہی ہے۔ تو پھر مسئلہ ایصال ثواب کے علاوہ میت کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کا بھی ان حضرات کو انکار کرنا پڑے گا۔ بلکہ اس کو بھی غیر معقول اور غلط ماننا ہوگا۔ کیونکہ اس نظریہ کی بنیاد پر کسی میت کے لیے دعاء مغفرت اور استدعاء رحمت کی مثال یہ ہوگی کہ کسی بھوکے کو کھانا تو دیا نہ جائے اور خدا سے بس یہ دعا کی جائے کہ بغیر کھانے کے تو اس کا پیٹ بھر دے اور جاڑے کے زور سے کپکپاتے ہوئے کسی غریب آدمی کے لیے خدا سے عرض کیا جائے کہ بغیر کپڑے کے تو سردی سے اس کی حفاظت فرما۔ اور گرمائی پہنچادے۔ پس ظاہر ہے کہ جس طرح خود کھانا کھا کر اور خود گرم کپڑے پہن کر اللہ سے یہ عرض کرنا غیر معقول ہے کہ اس کھانے اور کپڑے کا اثر فلاں بھوکے یا ننگے کو پہنچ جاوے، اسی طرح اس اصول پر یہ بھی غیر معقول ہے کہ اللہ سے یہ التجا کی جائے کہ فلاں بھوکے اور ننگے کا بغیر کھانے کے پیٹ بھر جائے اور بغیر کپڑوں کے وہ سردی کی تکلیف سے بچ جائے کیونکہ آپ حضرات کے نزدیک اس تمثیل میں ''عمل'' کا مقام

وہی ہے جو اس عالم میں کھانے کپڑے کا ہے اور آخرت کا ثواب آپ حضرات کے نزدیک لذتِ طعام، شکم سیری اور کپڑوں سے حاصل ہونے والی راحت کی طرح ہے۔

یہ جواب تو ان ہی حضرات کے اصول اور انہی کے طرز پر دیا گیا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان تفصیلات میں عالم آخرت کو اس مادی عالم پر قیاس کرنا اور اس کو شرعی فیصلوں کی بنیاد بنانا سرے ہی سے غلط اصول ہے۔ ہاں شرعی دلائل سے کسی مسئلہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اگر اس قسم کے قیاسی لطائف سے بھی اس کو مزید تائید دکھائی جائے تو مضائقہ نہیں اور ہم عرض کر چکے کہ اس مادی عالم میں ایک شخص کا اپنی محنت اور اپنی کمائی سے دوسروں کی مدد کرنا ''ایصال ثواب'' کی واضح نظیر ہے۔ بلکہ اب تو آنکھیں یہ بھی دیکھ رہی ہیں کہ ایک شخص اپنی پیدا کردہ دولت سے اچھی غذائیں کھاتا اس سے عمدہ خون پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے کسی بیمار اور ضعیف محسن یا دوست یا عزیز کو ڈاکٹر کا مشورہ ہوتا ہے کہ کسی طاقتور آدمی کا خون تمہارے جسم میں داخل کیے جانے کی ضرورت ہے یہ تندرست شخص اپنے کو پیش کر دیتا ہے اور ڈاکٹر اس کی کسی رگ میں سے بہترین خون لے کر اس کے اس بیمار محسن یا دوست یا عزیز کی رگوں میں پہنچا دیتا ہے اور اس سے اس میں توانائی آ جاتی ہے، تو اگر ایصال ثواب کے لیے اس مادی عالم ہی میں مثال تلاش کرنی ہے تو یہ بھی اس کی ایک اچھی مثال ہو سکتی ہے لیکن واضح رہے کہ بس سمجھنے کے لیے یہ ایک مثال ہی ہوگی نہ کہ مسئلہ کی دلیل اور بنیاد۔

زندوں کی جانب سے اموات کی نفع رسانی اور ''ایصال ثواب'' کے متعلق اس مقالہ میں جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ سب بحمد اللہ لکھا جا چکا۔ شروع میں بھی عرض کیا گیا تھا اور اب آخر میں بھی اس کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کاوش کا مقصد صرف اصولی مسئلہ ایصال ثواب کی حمایت ہے جو جمہور امت کا ہمیشہ سے ایک متفقہ نظریہ رہا ہے اور دلائل شرعیہ سے جس کے ثبوت میں ہمارے نزدیک کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

لیکن اس ایصال ثواب کی بنیاد پر تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں،

ششماہی، گیارہویں بارہویں، برسی، عرس، جمعراتی فاتحہ وغیرہ وغیرہ رسوم کی شکل میں جو ایک مستقل ''شریعت'' اہل ہوئی و ہوس نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی تراش لی ہے ان کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ ان خرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

علیٰ ہذا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین سے ایصال ثواب کی ہرگز ہرگز وہ اہمیت ثابت نہیں جو اس کو آج کل نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں نے دے رکھی ہے۔ ہمیشہ کے لیے ہر چیز کا وہی مقام رہنا چاہیے جس میں عہد نبوی اور دور صحابہ میں اس کو رکھا گیا تھا۔ اب کیفیت یہ ہے کہ ''ایصال ثواب'' مسلمانوں کا قریباً آدھا دین بن کے رہ گیا ہے۔ دین کے سینکڑوں مہمات سے انہیں وہ دل چسپی نہیں جو بزرگوں اور عزیزوں قریبوں کے ایصال ثواب سے ہے۔ عوام کے علاوہ بہت سے وہ بھی جو خواص سمجھے جاتے ہیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ''ایصال ثواب'' کے اصول ہی سے انکار کا جو رجحان زمانہ حال کے بہت سے نئے طرز کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ ''ایصال ثواب'' میں اس افراط اور غلو ہی کا رد عمل ہے۔ اس لیے زیادہ توجہ کے قابل اور زیادہ اصلاح کا محتاج ''ایصال ثواب'' میں غلو کرنے والوں ہی کا طرز عمل ہے کہ انہی کا افراط اس تفریط کی پیدائش کا سبب بن رہا ہے۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ٥ آمین.

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

از مناظر اسلام وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

شوق تحقیق

ایک صاحب نے اپنی داستان یوں بیان کی کہ میں اہل سنت کے گھرانہ میں پیدا ہوا۔ اس گھر میں آنکھیں کھولیں کہ والدین، بہن بھائیوں سب کی زبان پر دین کے چرچے تھے۔ نماز کی پابندی اور قرآن پاک کی تلاوت تو گویا ورثہ میں ملی۔ سکول کی تعلیم شروع ہوئی۔ جب میں نے مڈل پاس کیا اور نویں جماعت میں داخلہ لیا تو ایک استاد صاحب نے جو میری نماز کی پابندی کو دیکھا تو مجھ پر زیادہ شفقت فرمانے لگے۔ مجھے زیادہ دینی مطالعے کا شوق دلانے لگے اور فرمانے لگے کہ اب تو تعلیم یافتہ ہے۔ دنیاوی معاملات میں بھی تجھے اچھے برے کی کچھ شدھ بدھ ہوگئی ہے۔ دین میں بھی تحقیق کرنی چاہئے۔ وہ صاحب اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے۔ ان کی محنت اور کوشش سے میرے دل میں جذبہ تحقیق بیدار ہوگیا اور میں اس پر آمادہ ہوگیا۔

مذمت اختلاف

استاد صاحب نے فرمایا کہ آج مسلمان اختلافات کا شکار ہیں۔ ان اختلافات نے امت کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم سب کا خدا ایک نبی ایک، قرآن ایک، قبلہ ایک پھر یہ اختلافات کیوں؟ کہ کوئی حنفی ہے کوئی شافعی، کوئی مالکی ہے کوئی حنبلی، چاروں اماموں نے امت میں پھوٹ ڈال دی، اختلافات پیدا کر دیئے۔ ان اختلافات نے ہماری مسجدیں الگ کر دیں، ہمارے مدرسے الگ کر دیئے، ہمارے فتاویٰ الگ کر دیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان سب اختلافات کو چھوڑ کر ایک نبی پر جمع ہو جائیں اور اہل حدیث ہو جائیں۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہو تمامی کا
گلے میں پہن لو کرتہ محمدؐ کی غلامی کا

میں نے استاد صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ سب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی حضرت محمد ﷺ کے غلام نہیں ہیں؟

استاد صاحب نے فرمایا: تحقیق یہی ہے کہ یہ چاروں مذاہب حضور اقدس ﷺ کی غلامی چھوڑ کر، ان کی اتباع سے منہ موڑ کر اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا، کیا یہ چاروں مذاہب والے خدا کو معبود نہیں مانتے؟ نبی پاک ﷺ کو رسول اور آخری نبی نہیں مانتے؟ آخر میں حنفی ہوں اور یہ سب مانتا ہوں۔ انہی سے میں نے قرآن پڑھا، انہی سے خدا کی بندگی کا طریقہ سیکھا اور وہ تو رات دن ہمیں یہی یاد کرواتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ ہمارا مقصد زندگی ہے اور محمد رسول اللہ ہمارا طریق زندگی ہے۔ اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ سنتوں کو زندہ کرنے، ان کو اپنانے اور ان کو امت میں پھیلانے میں ہیں۔

استاد صاحب نے فرمایا کہ وہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے ہیں، اختلافات میں پھنس گئے ہیں، یہ سب ان کے زبانی دعوے ہیں۔ نبی ﷺ کو چھوڑ کر یہ کام کرنا نیکی برباد، گناہ لازم کا مصداق ہے۔ الغرض استاد صاحب نے ائمہ مجتہدین کا بغض میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ ائمہ کے نام سے مجھے نفرت ہوگئی۔ تقلید ائمہ کو بدعت اور شرک باور کرلیا۔ آخر ان اختلافات کی دلدل سے نکل کر میں اہل حدیث ہوگیا۔ اب میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہی گھر جس میں میں نے قرآن سیکھا تھا، جہاں نماز سیکھی تھی، جہاں ہر وقت ذکر و فکر ہوتا تھا، اب مجھے کفر و شرک کا گہوارہ نظر آتا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میرے ماں باپ، بہن بھائی، استاد، احباب سب کے سب دوزخی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی سنت سے باغی ہیں۔ نہ ان کو تلاوت کا ثواب ملے گا، نہ ان کی نماز قبول ہوگی، نہ ان کے کلمے کا اعتبار ہے۔

عجیب کشمکش

مجھے دینی مطالعے کا شوق ہو گیا تھا۔ استاد صاحب بھی مجھے کتابیں دیتے لیکن وہ میرے شوق مطالعہ سے کم ہوتیں۔ میں نے سکول کی لائبریری کا رخ کیا۔ مجھے شوق تھا کہ میں ان اکابر مسلمانوں کی سیرت کا مطالعہ کروں جن کے ذریعہ اسلام دنیا میں پھیلا۔ لیکن میں جس محدث جس مفسر، جس مجاہد اسلام، جس فقیہ، جس خلیفہ اسلام کے حالات کا مطالعہ کرتا وہ کوئی حنفی نکلتا، کوئی شافعی تو کوئی مالکی اور کوئی حنبلی۔ اب نہ مجھے گھر میں اسلام نظر آتا، نہ مسجد میں، نہ مدرسے میں، نہ کتب تاریخ میں۔ میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتا۔ استاد صاحب سے پوچھتا کہ استاد جی یہ تاریخی شخصیات تو سب مقلدین ہیں۔ استاد صاحب بعض کے بارے میں تو اعتراف فرماتے کہ وہ واقعی مقلد ہیں لیکن بعض کے بارے میں وہ فرما دیتے کہ فلاں فلاں محدث تقلید مجتہدین کو بدعت وشرک کہتا تھا۔ میں عرض کرتا کہ تاریخ تو ان کو مقلد کہتی ہے۔ آپ بھی کسی مسلمہ تاریخ کے حوالے سے دکھائیں کہ صحاح ستہ والے تقلید ائمہ کو شرک و بدعت کہتے تھے۔ استاذ صاحب کوئی حوالہ تو نہ دکھاتے، فرماتے کہ یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں، صرف قرآن وحدیث کی بات ماننی چاہیئے۔ کوئی شخص ''قرآن وحدیث سے صحاح ستہ والوں کا مقلد ہونا ثابت نہیں کر سکتا''۔ میں نے کہا کہ ''قرآن وحدیث سے تو ان کا غیر مقلد ہونا بلکہ محدث یا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں''۔ استاد جی فرماتے دیکھو ان باتوں کو چھوڑو، تم شکر کرو اختلافات سے بچ گئے ہو۔ چونکہ اختلاف کے لفظ سے مجھے چڑ ہو گئی تھی اور اختلاف ڈالنے والوں سے بھی چڑ تھی خواہ وہ ائمہ مجتہدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے استاد صاحب کے سامنے میں خاموش ہو جاتا کہ انہوں نے مجھے اختلافات کے جہنم سے نکالا ہے۔ یہ واقعی بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مجھے اتحاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ تقلید کی بدعت بلکہ شرک سے توبہ نصیب ہو گئی یہ سب استاد محترم ہی کا فیض ہے۔ یہی بات میرا سب سے بڑا سہارا تھی۔ اس سے بے چین دل کی ڈھارس بندھ جاتی۔

اختلاف رائے سے آپ بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ کیا محدثین میں احادیث کے صحیح یا ضعیف، مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف، راویوں کے ثقہ وضعیف ہونے میں اختلاف نہیں؟ محدثین تو بہت سے ہیں لیکن اگر صرف صحاح ستہ والوں کا ہی اختلاف دیکھا جائے تو آپ چار ائمہ کے اختلاف سے ڈر کر بھاگے مگر کم از کم چھ کے اختلاف میں پھنس گئے اور اس پر بھی آپ نے غور نہیں فرمایا کہ حنفی اور شافعی دو مذہب ہیں ان میں آپ کو اختلاف برداشت نہیں مگر نام نہاد اہل حدیث میں تو آپس میں بھی اختلافات ہیں۔ ایک ہی فرقہ میں اختلافات تو اور زیادہ قابل نفرت ہونے چاہئیں۔ اس نے کہا ایسا تو نہیں کہ اہل حدیث میں آپس میں اختلافات ہوں۔ اس نے کہا آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں چند اختلافات ملاحظہ ہوں۔

(۱) (**الف**) اگر سونا بھی مکمل نصاب نہ ہو، اور چاندی بھی مکمل نصاب نہ ہو، اور دونوں کی قیمت مل کر نصاب کے برابر ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

ابوالحسن میاں نذیر حسین۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۵ ج ۷)

(**ب**) سونے اور چاندی کو ایک جگہ ملا کر زکوٰۃ نہیں دینی ہو گی بلکہ ایسی صورت میں زکوٰۃ معاف ہو گی۔ مولانا محمد یونس محدث مدرس مدرسہ نذیر حسین۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۶، ۸۸ ج ۷)

(**ج**) اس بارے میں حضور ﷺ سے کچھ مروی نہیں۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۹۷ ج ۱)

(۲) زیور مستعملہ پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (شرف الدین) واجب نہیں۔

(ثناءاللہ) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۹۵، ۹۶ ج ۷)

(۳) مال تجارت پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ (عرف الجادی) فرض ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۷۶ ج ۷)

(۴) تعمیر مسجد پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۷۸ ج ۷)

تعمیر مساجد میں صرف کرنا درست ہے۔ (ایضاً ص ۲۲۱ ج ۷)

(۵) جو اہل حدیث امام عبدالستار کو زکوٰۃ نہ دے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔
(فتاویٰ ستاریہ) امام عبدالستار کو زکوٰۃ وصول کرنا قطعاً ناجائز و حرام ہے۔
(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۶۳ ج ۷)

(۶) کافر کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۷۵ ج ۷)
کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ (ایضاً ص ۲۹۱ ج ۷)

(۷) تملیک زکوٰۃ میں لازم ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۶ ج ۷)
ضروری نہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴ ج ۷)

(۸) عشر صرف زمیندار اور مزارع پر ہے۔ (لوہار، ترکھان، حجام، دھوبی پر بعد نصاب بھی فرض نہیں) (ص ۱۳۶ ج ۷)
لوہار، ترکھان وغیرہ کے دانے نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر بھی عشر فرض ہے۔
(ص ۱۳۶ / ج ۷)

(۹) سیونگ بینک کا سود مولوی عبدالواحد غزنوی جائز کہتے ہیں۔ (ص ۳۰۵ ج ۷)
بعض غیر مقلد حرام کہتے ہیں۔

(۱۰) حرام مال دو قسم پر ہے۔ ایک کا حصول بالرضا ہوتا ہے جیسے زنا کی اجرت، جوئے کا نفع وغیرہ، دوسرا بالجبر جیسے چوری، ڈاکہ وغیرہ۔ پہلی قسم کے بارے میں بعض علماء (اہل حدیث) کا عقیدہ ہے کہ توبہ کے بعد حلال ہو جاتا ہے، دوسری قسم کے متعلق نہیں۔ (ص ۲۷۲ ج ۷ مولانا ثناء اللہ امرتسری)
پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ کہ بالکل باطل ہے، قطعاً حرام ہے، حلت کی کوئی دلیل نہیں۔ (ص ۲۷۲ ج ۷ مولانا شرف الدین)

دیکھئے یہ صرف مالی معاملات کے بارے میں ایک ہی فرقہ اہل حدیث کے بطور مثال دس اختلافات ذکر کئے ہیں۔ اب یہ جھوٹ بولنا کہ اہل حدیث ہونے کے

بعد اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس سے توبہ لازم ہے۔ اہل حدیث نے تو اختلافات بڑھادیئے ہیں۔

محمدی کون؟

میں نے کہا کہ حنفی محمدی تو نہیں؟ اس نے کہا کہ حنفی تو ڈبل محمدی ہیں کیونکہ جس نبیؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں وہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور رسول پاک ﷺ کی شریعت پاک کی جو جامع تشریح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمائی اس کے مرتب کرنے والے بھی امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ آپ ایک میٹرک کے طالب علم ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ حنفی محمدی نہیں جب کہ آپ کی جماعت کے شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ امرتسری تو مرزائیوں کو بھی محمدی مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درجہ ہے والذین معه کا سب شریک ہیں۔ اس لئے گو ان میں باہمی سخت شقاق ہے مگر اس نقطہ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحمآء بینھم ہونا چاہیئے۔ مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے ان کو بھی میں اس میں شامل سمجھتا ہوں''۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء)

کفر و شرک سے نفرت

میں نے کہا چونکہ اہل حدیث حضرات رات دن احناف وغیرہ مقلدین پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے رہتے تھے، چلو اہل حدیث ہو گیا تو ان فتووں سے تو بچ جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ آپ تو بہت ہی بھولے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو کس نے کہا کہ پھر یہ فتوے نہیں لگیں گے۔ آپ نے مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کا نام سن رکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں وہ تو اس فرقہ کے شیخ الاسلام تھے، شیر اسلام اور مناظر اسلام تھے۔ اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل حدیث ان پر فتویٰ کفر لگوانے کے لئے حرمین شریفین گئے تھے۔ فیصلہ مکہ، فیصلہ حجاز یہ پڑھ کر دیکھیں کہ ان کو فرعون سے

بدتر کا فر ثابت کیا ہے اور جماعت غرباء اہل حدیث کو دوسرے اہل حدیثوں نے مکہ کے کافروں سے بدتر کافر قرار دیا ہے۔ مولانا عبداللہ روپڑی پر خود اہل حدیثوں نے کفر کے فتوے صادر فرمائے ہیں۔ اب ان میں سے ایک فرقہ مسعودی نکلا ہے جو اپنے آپ کو جماعت المسلمین کہتا ہے اور باقی سب اہل حدیثوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے۔
اب میں حیران تھا کہ مجھے اختلافات سے بچانے کا جھانسہ دے کر بڑے اختلافات میں دھکیل دیا ہے۔ میں صحابہؓ سے کٹ گیا، ائمہ مجتہدین سے باغی ہو گیا، اولیاء اللہ کا سرکش ہو گیا اور تقلید مجتہدین سے ہٹا کر مجھے اپنی تقلید پر لگا لیا۔ گویا اہل کی تقلید سے ہٹایا اور نااہل کی تقلید کا طوق میری گردن میں ڈال دیا۔ اگر میں سب سے کٹ کر انہی کے ساتھ رہتا تو بھی بات تھی۔ اب میں ان کا بھی نہ رہا۔ آپ مجھے مولانا وحید الزمان کی کتاب نزل الابرار سنا کر دیکھیں، میں اس پر کتنی لعنتیں بھیجتا ہوں۔ آپ نواب صدیق حسن خاں کی بدور الاهلہ سنا کر دیکھیں کہ میں اسے کتنی صلواتیں سناتا ہوں، آپ میر نور الحسن کی عرف الجادی سنائیں اور اس کے خلاف میری زبان درازی سن لیں۔ اب وہ میرا دوست تو جا چکا تھا اور میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یا اللہ! وہ جو محاورہ سن رکھا تھا، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ وہی حال میرا ہو گیا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اسی ادھیڑ بن میں دن گزر رہے تھے کہ میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ اب میرا معیار تعلیم بھی بلند ہو رہا تھا اور اپنی سابقہ تحقیق پر بہت پریشان بلکہ پشیمان تھا۔ سوچا کہ معیار تحقیق بھی بلند کرنا چاہئے۔ اب میرا رجحان زیادہ تر تلاوت قرآن کی طرف تھا۔ میں کالج کی تعلیم سے وقت نکال کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور اس کے ترجمہ و تفسیر پڑھنے کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگا۔

اہل قرآن

کالج میں ہمارے ایک پروفیسر صاحب تھے۔ مجھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھتے۔ ایک دفعہ پوچھنے لگے تم کس فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔ میں نے کہا میں اہل حدیث ہوں۔ انہوں نے کہا میں بھی پہلے اہل حدیث ہی تھا مگر جب میں نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو میرا دل اہل حدیث کے اختلافات سے اچاٹ ہو گیا۔ اگر چہ علماء اہل حدیث نے مجھے مطمئن کرنے کی بہت کوشش کی لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ خود ہی اپنے مسائل پر مطمئن نہیں تھے کسی دوسرے کو کیسے مطمئن کر سکتے تھے۔ آخر میں قرآن کی طرف آ گیا اور اہل قرآن بن گیا۔ آپ بھی ان کے لٹریچر کا مطالعہ کریں، سب اختلافات اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ پروفیسر صاحب نے مجھے دو کتابیں عنایت فرمائیں۔ یہ دونوں کتابیں جناب غلام احمد پرویز صاحب کی لکھی ہوئی تھیں۔ ایک کا نام تھا ''قرآنی فیصلے'' اور دوسری کا نام تھا ''مقام حدیث'' میں بڑا خوش ہوا۔ معمول کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کر مطالعہ شروع کیا۔

تلاوت قرآن کریم

اس میں لکھا تھا: ''یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ملتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ درحقیقت عہد سحر کی یادگار ہے''۔ (قرآنی فیصلے ص ۱۰۴) میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ یہ جو سب مسلمان رات دن قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں ان کو تو کچھ بھی ثواب نہ ملا۔ میں نے صبح پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ جناب یہاں تو لکھا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت بلا معنی سمجھے کرنا عبث ہے۔ میں تو بہت تلاوت کرتا ہوں اور اپنے بزرگوں کو ثواب بھی بخشتا ہوں۔ یہ تو سارا کام ہی خراب ہو گیا کیونکہ جب مجھے ہی ثواب نہ ملا تو آگے کیا پہنچے گا۔ پروفیسر صاحب مسکرا کر فرمانے لگے کہ یہاں تو سرے سے ثواب ہی نہیں ملا۔ اگر کسی کام پر ثواب مل بھی جائے تو بھی اس کا ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔

ایصال ثواب

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ایصال ثواب کا عقیدہ کس طرح مکافات عمل کے اس عقیدہ کے خلاف ہے جو اسلام کا بنیادی قانون ہے۔ خدا جانے اس قوم نے کہاں کہاں سے ان عقائد کو پھر سے لے لیا جنہیں مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا اور اس صورت میں جب کہ خود قرآن اپنی اصلی شکل میں ان کے پاس موجود ہے، اس سے بڑا تغیر بھی آسمان کی آنکھ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ (قرآنی فیصلے ص ۹۸) میں نے پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ جناب میں تو چاہتا ہوں کہ اختلافات کی دلدل سے نکل جاؤں، اس بارے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اختلافات سے بچنے کا ایک ہی حل ہے کہ آدمی اہل قرآن بن جائے۔ دیکھو کوئی فقہ کا مسئلہ پیش کرے تو سوال ہوتا ہے کہ یہ مفتیٰ بہ یعنی مضبوط قول ہے یا غیر مفتیٰ بہ یعنی نا قابل عمل۔ اسی طرح حدیث پر فوراً یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ کوئی صحیح کہے گا کوئی ضعیف اور اختلاف مٹ نہیں سکے گا۔ ہاں قرآن پاک کی کسی ایک آیت کے بارے میں بھی آپ نہیں سنیں گے کہ اسے کوئی ضعیف کہے۔ اس لئے کوئی اختلاف ہی نہیں ہوگا۔

انکار حدیث

پروفیسر صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے پرویز صاحب کا ایک اقتباس پیش فرمایا کہ ''مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کی ہم پلہ (مثلہ معہ) ہے۔ یہ وحی روایات میں ملتی ہے۔ اس لئے روایات عین دین ہیں۔ یہ عقیدہ پیدا کیا اور ور ساتھ ہی روایات سازی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا.......... اس طرح اس دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور دین

مدون کر کے رکھ دیا اور اسے اتباع سنت رسول للہ ﷺ قرار دے کرامت کو اس ...
الجھا دیا۔ (مقام حدیث ص ۱۲۱ ج ۱) آگے چل کر لکھتے ہیں: "بہر حال جھوٹ پہلی سا...
کے تحت بولا گیا یا بعد میں اہلیان مسجد نے نیک کاموں کے لئے اس جھوٹ کی حما...
کی۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہے یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا۔ وحی غیر متلو اس
نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا۔ (مقام حدیث ص ۱۲۲ ج ۱)
پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ دیکھو ایک عربی قرآن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ...
تھا، چھ عجمی قرآن بنا کر ان کا نام صحاح ستہ رکھ لیا گیا، یہی احادیث تمام اختلافات کی
بنیاد ہیں۔ ان کو چھوڑے بغیر اتفاق اور اتحاد! ایں خیالست محالست وجنوں۔ اس لئے
اتفاق اور اتحاد کی ایک ہی صورت ہے کہ صرف قرآن کو مانو اور بس۔

کیا مطالب میں اتفاق ہے؟

میں نے پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ کیا قرآن پاک کے الفاظ میں
قراءتوں کا اختلاف نہیں۔ فرمانے لگے ہاں سات یا دس متواتر قراءتیں ہیں، ان
میں اختلاف بھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جناب میں چار اماموں کے اختلاف
سے بچنے کے لئے اہل حدیث ہوا تھا لیکن وہاں کم از کم صحاح ستہ کے چھ اماموں
کے اختلاف میں جا پھنسا، اب آپ سات یا دس کے اختلاف کی دعوت دے
رہے ہیں۔ یہ تو الفاظ کی بات تھی، رہے قرآن سے جو مسائل اہل قرآن نے اخذ
کئے ہیں کیا سب قرآن کو ماننے والے مسلمان ان مسائل میں آپ کے ساتھ متفق
ہیں؟ مثلاً آپ کے پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اللہ و رسول ؐ کی اطاعت سے مراد
مرکز ملت (Central Authoriy) اور اولوالامر سے مراد افسران ماتحت ہیں۔
(معارف القرآن ص ۶۲۳ ج ۴) اور رسول کو قطعاً حق نہیں کہ اپنی اطاعت کروائے۔
(معارف القرآن ص ۶۱۶ ج ۴) اور ختم نبوت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اب انسانوں کو صرف

اصولی رہنمائی کی ضرورت ہے ان اصولوں کی روشنی میں وہ تفصیلات خود متعین کریں گے۔ (سلیم کے نام ص ۱۰۳/ج ۲) قرآنی احکام عبوری دور کے لئے تھے۔ (نظام ربوبیت ص ۲۵)

آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ص ۱۲۴/ج ۲)

جنت اور جہنم

جنت اور جہنم مقامات نہیں ہیں، انسانی ذاتی کیفیات ہیں۔ (لغات القرآن ص ۴۴۹/ج ۱) ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص ۱۹۵) وغیرہ۔ میں نے کہا کہ جن مسائل کو قرآن کے مسائل سے تعبیر کیا گیا ہے کیا عرب وعجم کے مفسرین شروع سے ان آیات کے یہی مطالب بیان کرتے آرہے ہیں؟ پروفیسر صاحب نے کہا کہ ان سے علماء نہ صرف یہ کہ اتفاق نہیں کرتے بلکہ بعض مسائل پر تو علماء نے فتویٰ کفر دے دیا ہے، جس فتویٰ پر تقریباً ۱۰۲۷ علماء کے دستخط ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ فتویٰ پرویز صاحب کی زندگی میں شائع ہو کر ان تک پہنچا تھا۔ انہوں نے فرمایا بالکل یہ فتویٰ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن جامعۃ العلوم الاسلامیہ سے شائع ہوا۔ پرویز صاحب نے بار بار پڑھا اور ایک خط میں کچھ لعن طعن علماء پر کر دیا مگر ان کے دلائل کا جواب نہیں دے سکے۔ پھر اس خط کا جواب بھی حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے چھپوا دیا۔ مگر اس کا جواب الجواب کسی طرف سے نہ ہو سکا۔ میں نے کہا پروفیسر صاحب! ہم نے جتنا اختلافات سے بچنے کی کوشش کی، پہلے سے زیادہ اختلافات میں پھنستے گئے۔ کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا کہ کدھر جائیں۔ وہ ایسی پریشانی میں تھے کہ ان کے ایک دوست وکیل صاحب آ گئے۔ انہوں نے ان کی کہانی سنی تو انہیں لے کر اس (راقم الحروف) کے پاس آ گئے اور انہوں نے مجھے بھی اپنی داستان تحقیق سنائی۔ میں نے کہا کہ آپ حضرات کی پریشانیوں کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ دین کے بارے میں

جناب کا علم نہایت ناقص اور بالکل سطحی ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ باوجود ناقص استعداد کے خودرائی اور غرور وتکبر نے آپ کو علماء اور صوفیاء سے دور کر دیا ہے۔

حدود اختلاف

میں نے کہا کہ آپ ابھی تک حدود اختلاف سے ہی واقف نہیں۔ اختلاف کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) پہلی قسم کا اختلاف کفر اور اسلام کا اختلاف ہے۔ ضروریات دین میں سب کو ماننا ایمان ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا باطل تاویل کرنا کفر ہے۔ جیسے اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے مرکزی حکومت کی اطاعت مراد لینا کفر ہے اسی طرح اولوالامر سے ہر حکومت کے افسران ماتحت مراد لینا صریح کفر اور الحاد ہے یا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت صرف آپ کی حیات ظاہری میں قابل عمل تھی اب اس کی اطاعت لازم نہیں، یہ بھی صریح کفر ہے۔ ختم نبوت کا یہ مفہوم مراد لینا کہ اب ہم اپنے فیصلے خود حل کریں گے، یہ بھی کفر ہے اور اسلامی احکام زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، وراثت مسائل کو عبوری دور کے احکام قرار دینا بھی واضح کفر ہے۔

(۲) دوسری قسم کا ختلاف دائرہ اسلام کے اندر ہے۔ اس کو سنت اور بدعت کا اختلاف کہتے ہیں۔ قدریہ، جبریہ، معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقے ہیں۔ مطلق ایصال ثواب، مطلق توسل اور مطلق حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے والا اہل سنت سے خارج اور بدعتی ہے۔

(۳) تیسری قسم کا اختلاف اہل سنت کے دائرہ کے اندر ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ صحابہ محدثین اور فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا ہے، اہل فن کا اختلاف ہمیشہ قابل برداشت ہوتا ہے۔ طبیب سے طبیب کا اختلاف قابل برداشت ہے مگر طبیب سے کمہار کا اختلاف ناقابل برداشت ہے۔ جج صاحب کا جج سے قانونی تشریح میں

اختلاف قابل برداشت ہے مگر جج سے چمار کو اختلاف کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اختلاف قابل برداشت ہے۔

مثال

آپ لوگوں کا عجیب مزاج ہے کہ جو اختلافات قابل برداشت تھے جیسے ائمہ اربعہؒ کے اجتہادی اختلافات، ان کو تو آپ برداشت نہ کر سکے مگر جو اختلافات نا قابل برداشت تھے، جو سنت و بدعت اور کفر و اسلام کے تھے، ان کو آپ نے برداشت کرلیا۔ آپ کی مثال تو اس مریض جیسی ہے کہ اس کے لئے دو مسلمان طبیبوں نے الگ الگ حلال دوا تجویز کر دی مگر مریض غصے ہو گیا اور کافر اطباء کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے بھی الگ الگ دوا تجویز کی مگر ہر ایک نے حرام دوا تجویز کر دی تو یہ اختلاف یقیناً پہلے اختلاف سے بدتر ہے۔ وہ کسی دہریہ کے پاس چلا گیا اور انہوں نے کہا کہ پہلے خدا کا انکار کرو، حلال و حرام کا فرق دل ہی سے نکال دو اور پھر دوا ملے گی مگر اس کی تجویز میں بھی اختلاف ہی رہا تو یہ اختلاف یقیناً بدترین اختلاف ہے۔

اختلاف کہاں ہے

میں نے کہا کہ جو اختلافات قابل برداشت ہیں ان میں ججوں کا اختلاف، وکلاء کا اختلاف، ڈاکٹروں کا اختلاف یقیناً ملک میں موجود ہے مگر یہاں ائمہ اربعہؒ کا تو ایک ہی مذہب ہے اور سات قرأتوں میں سے ایک ہی قرأت ہے۔ نہ لڑائی ہے نہ جھگڑا، صدیوں سے اتفاق و محبت سے لوگ دینی اعمال بجا لا رہے ہیں۔ سری لنکا میں صرف شافعی مذہب ہے۔ نہ کسی حنفی نے وہاں جھگڑا ڈالا نہ مالکی نے۔ اس لئے کہ اپنے اپنے علاقے میں تو مذہب بھی ایک ہے، ایک ہی قرأت ہے، کوئی لڑائی نہیں۔ صدیوں تک مکہ مکرمہ جو سب کا مرکز ہے وہاں چار قاضی اور چار مصلے ہوتے تھے لیکن باقی ممالک میں عملاً ایک مذہب ہی متواتر تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ سب جانتے تھے کہ

مرکز نے صرف چار مذاہب کو حق تسلیم کیا ہے کوئی پانچواں فرقہ اہل سنت کے نام سے نہ بن سکتا تھا نہ چل سکتا تھا۔ باقی علاقوں میں صرف ایک ایک مذہب تھا وہ بھی ان چار میں سے ایک۔ پاک و ہند کا حال ہی تاریخ میں پڑھ لیں۔ یہاں دوسری صدی میں سلام آ گیا۔ دوسری سے تیرہویں صدی تک یہاں کے اہل سنت ایک ہی مذہب حنفی رکھتے تھے۔ یہ ان صدیوں میں حج کے لئے بھی جاتے رہے مگر حنفی ہی جاتے اور حنفی ہی واپس آتے۔ انگریز کے دور میں کچھ لوگ یہاں شافعی مذہب کے بعض مسائل کھینچ لائے اور اختلاف پیدا کر دیا۔ وہ اختلاف کرنے والے بھی خود تھے اور اختلاف کے خلاف شور بھی خود مچاتے تھے۔ بالکل چور مچائے شور کی مثال پوری کر دی۔ بارہ صدیوں میں یہاں لاکھوں کافر مسلمان ہوئے۔ اور سب سنی حنفی ہی بنے۔ ان اختلافات کے بانیوں نے یہاں اختلاف پیدا کیا اور چونکہ یہاں ایک ہی مذہب تھا اس لئے جو سوال کافر بھی نہ سوچ سکتے تھے وہ خوب پھیلایا کہ اب اگر کافر مسلمان ہونا چاہے تو کس مذہب میں آئے گا، حالانکہ بات صاف ہے کہ آج بھی یہاں مذہب ایک ہی ہے اور وہ مذہب حنفی ہے اور یہ نئے اختلافات والے تو لا مذہب ہیں اور کافر یہ سوال کیوں نہ کرے گا کہ میں مسلمان ہو کر سات قرأتوں میں سے کس قرأت پر قرآن پڑھوں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں عوام میں ایک ہی قرأت متواتر ہے جو سب مسلمان پڑھ رہے ہیں اور کافر بھی مسلمان ہو کر یہی قاری حفص کی متواتر قرأت پڑھے گا اور مذہب حنفی کے ذریعہ سنت نبویؐ پر عمل کرے گا۔ پروفیسر صاحب اور ان کے شاگرد آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، یونانی، آریو ویدک کے چار طریق علاج یہاں موجود ہیں مگر اس پر ہم نے کبھی شور نہیں مچایا اور ائمہ اربعہؒ کے مذاہب میں سے تو یہاں ایک اور صرف ایک ہی مذہب ہے، ''مذہب حنفی''۔ مگر ہم چار چار کا ذہن پر بوجھ ڈال کر خود بھی پاگل ہو گئے اور کتنے سادہ لوگوں کو پاگل بنا ڈالا۔

اے اللہ! ہمیں اس پاگل پنے سے محفوظ فرما اور ایک ہی مذہب جو اس ملک میں درساً اور عملاً متواتر ہے اسی پر ہمیں قائم رکھ اور اس کی حفاظت فرما، آمین۔

ایصال ثواب

اب وہ دونوں فرمانے لگے کہ یہ ایصال ثواب کا عقیدہ تو قرآن پاک کے بالکل ہی خلاف ہے۔ قرآن پاک میں صاف طور پر آیا ہے: ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ (۳۹:۵۳) اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور دوسری جگہ ہے ﴿ولا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۵۴:۳۶) اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔ میں نے کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے ﴿قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِی صَغِیْرًا﴾ (۲۴:۱۷) اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔ میں نے پوچھا کہ کیا والدین کیلئے یہ دعا کرنے کا حکم ہے؟ کہنے لگے بالکل ہے۔ میں نے کہا صرف جب تک زندہ ہوں اسی وقت تک یا وفات کے بعد بھی؟ کہنے لگے وفات کے بعد بھی۔ میں نے پوچھا: اس دعا سے ان کو کوئی فائدہ بھی پہنچے گا یا قرآن نے ایک بے فائدہ کام کا حکم دیا ہے؟ کہنے لگے کہ ضرور پہنچے گا۔ میں نے کہا کہ اسی کا نام یصال ثواب ہے۔ اس میں سعی اور کوشش بیٹے، بیٹی کی ہے اور فائدہ والدین کو پہنچ رہا ہے۔ کہنے لگے ماں باپ کو اولاد کی کوشش کا فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ وہ سبب ہیں ان کی پیدائش کا، اوروں کو تو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بھی مذکور ہے ﴿رَبِّ اغْفِرْلِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤمِنًا وَّلِلْمُومِنِیْنَ وَالْمُوْمِنَات ولاتَزِدِ الظَّالِمِیْنَ اِلاتَبَارًا﴾ (۲۸:۷۱) ''اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایمان دار اور سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کیلئے تباہی کے سوا کچھ زیادہ نہ کر۔ اس آیت کریمہ میں سب مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا ہے۔ تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! میں نے تیرے حق میں

دعا قبول کر لی اور تیرے والدین کے لئے بھی کیونکہ وہ تیری پیدائش کا سبب ہیں اور باقی مومن جو تیرے گھر میں ہیں اور گھر سے باہر کے سب مومن مردوں اور عورتوں کے لئے تیری دعاء بے فائدہ، عبث اور مردود ہے اور آئندہ کبھی ایسا فضول کام نہ کرنا، یہ دعا تیرا عمل ہے اس سے تجھ کو فائدہ ہوگا اور کسی کو نہیں ہوگا۔ تیری کوشش کا فائدہ اور کسی کو پہنچانا میرے قانون کے خلاف ہے۔ کہنے لگے یقیناً سب کو فائدہ پہنچا۔ میں نے کہا یہی ایصال ثواب ہے۔ اب ایصال ثواب کا انکار کر کے تم قرآن کا انکار کر رہے ہو یا نہیں؟ کہنے لگے واقعی یہ تو قرآن پاک کا صاف انکار ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کی دعاء بھی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (۱۴:۴۰۔۴۱)

اے میرے پروردگار! بنادے مجھے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی اے ہمارے پروردگار اور ہماری دعا قبول فرما، اے ہمارے پروردگار! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو کہ جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا سب کے لئے کی تو والد کے لئے دعا سے منع کر دیا گیا کیونکہ وہ کافر تھا۔ اس کو نبی کی دعاء کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا اور مومنوں کے لئے دعاء سے منع نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مومنوں کو ثواب پہنچتا ہے کافروں کو نہیں پہنچتا تو آپ لوگ اپنے آپ کو کافروں سے کیوں ملا رہے ہیں؟ اسی بات کی وضاحت قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی ہے۔

منافقین کی محرومی

﴿اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْلَاتَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لَھُمْ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاللہُ لَا یَھْدِی الْقَوْ

مَ الْفَاسِقِيْنَ ﴾(۹:۸۰)''توان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ۔ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ، یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو''۔ معلوم ہوا کہ کافروں کو نبی پاک ﷺ کے استغفار کا کوئی فائدہ نہیں اگر چہ نبیؑ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں۔ خدا کی پناہ۔

کافر کا جنازہ نہ پڑھو

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ ﴾(۹:۸۴)اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

جنازہ بھی ایصال ثواب ہے

چونکہ نماز جنازہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے مومن کے بارے میں تو حدیث شریف میں فرمایا کہ ہر نیک و بد پر نماز جنازہ پڑھو مگر کافروں کو ثواب نہیں پہنچتا، اس لئے ان کی نماز جنازہ سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ اس لئے جو لوگ ایصال ثواب کے منکر ہیں ان کو اعلان کرنا چاہئے کہ نہ ہم کسی کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ کوئی ہماری نماز جنازہ پڑھے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ایصال ثواب صرف سبب کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بھی اعلان کریں کہ نماز جنازہ صرف اولاد پڑھے۔ جس کی اولاد نہ ہو اس کی نماز جنازہ بالکل نہ پڑھی جائے اور ہمارے جنازہ میں بھی ہماری اولاد کے علاوہ کوئی اور شریک نہ ہو بلکہ اگر جرأت اور ہمت ہے تو صاف اعلان کریں کہ ہم اہل قرآن ہیں اس لئے جو بات قرآن سے ثابت نہ ہو مثلاً، مردہ کو غسل دینا، کفن دینا، اور حدیث والی نماز جنازہ پڑھنا اور چارپائی پر ڈال کر قبرستان لے جانا، یا اس قبر میں

دفن کرنا جو انسان نے کھودی ہو، کیونکہ یہاں نہ مجھے عذاب ہوگا نہ ثواب۔ اللہ کی کھودی ہوئی قبر میں دفن کرنا جہاں مجھے عذاب یا ثواب ملے۔

نماز جنازہ ایصال ثواب ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: (إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاء) (ابن ماجہ ص ۱۰۷ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰) ''جب مردہ پر نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔'' اور یہاں یہ نہیں فرمایا کہ بیٹے کے سوا کوئی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے کئی دعائیں کتب احادیث میں منقول ہیں جو آپ ﷺ نے جنازہ میں پڑھیں، اور یہ نماز جنازہ امت میں عملاً متواتر چلی آرہی ہے، اور اس سے مقصود صرف اور صرف ایصال ثواب ہے۔

قبر پر دعاء

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لأخیکم واسئلو لہ التثبیت فإنہ الآن یسئل ''حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مردہ کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے بھائی کے لئے بخشش مانگو اور اس کی ثابت قدمی کی دعاء کرو، پس بے شک اب اس سے سوال ہو رہا ہے''۔ یہ استغفار بھی زندوں کی سعی وکوشش ہے جس سے مردہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں کہ صرف بیٹا دعاء کرے اور کوئی نہ کرے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ میت سے سوال و جواب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۳)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ (۴۳ھ) نے فرمایا: کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو پھر مجھ پر مٹی ڈالو، پھر میری قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرے رہو جس میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہو، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو کر سوچ سکوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ (صحیح مسلم ص ۷۶ ج ۱)

علامہ نوویؒ (۶۷۶ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث

سے ثابت ہوا کہ قبر میں سوال و جواب بھی ہے اور عذاب وثواب بھی اور دفن کے بعد قبر پر کچھ دیر ٹھہرنا مستحب ہے۔ وفیہ أن المیت حینئذ یسمع من حول القبر کہ مردہ اس وقت اپنی قبر کے اردگرد کی باتیں سنتا ہے۔ فقیہ کبیر قاضی خان (۵۹۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ان قرأ القرآن عند القبور ان نوی بذالک ان یونسھم صوت القرآن فإنہ یقرأ فإن لم یقصد ذالک فاللہ تعالٰی یسمع قرأۃ القرآن حیث کانت. (قاضی خان ص۱۹۷ رج ۴، عالمگیری ص ۳۷۷ رج ۴)

''اگر کسی شخص نے قبروں کے پاس اس نیت سے قرآن پڑھا کہ اس کے قرآن پڑھنے کی آواز سے مردے مانوس ہوں تو بلاشبہ وہ پڑھے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو اللہ تعالٰی تو ہر جگہ سے قرآن کی قرآت کو سنتا ہے''۔

فائدہ

قرآن پاک کہیں بھی پڑھا جائے اس کا ثواب مردے کو پہنچ جاتا ہے۔ ہاں اہل قبور کو مانوس کرنا ہو تو وہ قریب پڑھنے سے سنتے ہیں۔

زیارت قبور کی دعا

زیارت قبور مسنون ہے اور زیارت کے وقت بھی مردہ کے لئے دعاء کرنا مسنون ہے۔ یہ دعاء بھی ایصال ثواب ہی ہے۔ اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں کہ صرف بیٹا ہی دعاء مانگے باقی دعاء نہ مانگیں۔

السلام علیکم أھل الدیار من المومنین والمسلمین وإنا إنشآء اللہ بکم للاحقون . نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ. (مسلم ص۳۱۴ رج ۱)

''سلام ہو تم پر اے ان گھروں والے مومنو اور مسلمانو! اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالٰی سے عافیت کی دعاء کرتے ہیں''۔

آنحضرت ﷺ، صحابہؓ، تابعینؒ اور ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے مسلمان زیارت قبور کے وقت میت کو سلام اور اس کے لئے دعاء کرتے آرہے ہیں۔ اور اس ایصال ثواب پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس پر وہ حضرات کہنے لگے کہ دعاء کو ہم بھی جائز مانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دعاء زندہ ہی کی سعی اور کوشش ہے جس سے مردہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جس آیت سے آپ کو مغالطہ دیا گیا اس کا مطلب تو صاف ہے۔ جیسے آپ کالج میں پورا مہینہ پڑھاتے ہیں تو اس کی تنخواہ کے حق دار آپ ہی ہیں، وہ آپ ہی کی ملکیت ہے مگر جب آپ خود وہ تنخواہ لے کر کسی محتاج کو صدقہ یا دوست کو ہدیہ دے دیں تو اب وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اسی طرح آپ کی سعی، کوشش اور محنت کا ثواب آپ ہی کو ملے گا۔ ہاں اس کے بعد آپ نے یہ بھی سعی فرمائی کہ اے اللہ! اس کا جو ثواب مجھے ملا ہے وہ فلاں کو پہنچا دے تو وہ اس کو مل جائے گا اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (الدعاء مخ العبادہ) (ترمذی ج۲ ص۱۷۵) ''دعاء ہی عبادت کا مغز ہے''۔ تو جب مغز پہنچنے کے آپ قائل ہیں تو چھلکے بھی ساتھ ہی چلے جاتے ہیں اور زندہ کے کام کا ثواب تو زندہ ہی کو ملتا ہے۔ مردہ کو ایصال ثواب ہوتا ہی دعاء کے ذریعہ ہے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے خواہ دعاء زبان سے کی جائے یا دل سے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بھی جانتے ہیں اور یہ حقیقت ایسی مسلمہ ہے کہ فرش سے عرش تک مسلم ہے۔

فرش والے

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (۲۱:۵۲)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولادوں نے ایمان کے ساتھ، ملا دیں گے ہم ان کے ساتھ ان کی اولادوں کو اور نہیں کریں گے ہم ان کے لئے ان کے اعمال میں سے کچھ کم ہر آدمی پھنسا ہو رہے اپنی کمائی میں''

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دونوں شانیں بیان فرمادیں کہ کاملوں کی برکت سے، وہ ان کی اولاد سے فضل کا معاملہ فرماتے ہیں کہ قاصرین کا درجہ بلند کر کے کاملین سے ملا دیتے ہیں اور عدل کا معاملہ یہ ہے کہ اچھے برے عمل کی جزا سزا اتنی ہی دے جتنا عمل ہو۔

بعد والے

﴿وَالَّذِيْنَ جَآؤُا مِنْ' بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَؤُفٌ الرَّحِيْمٌ﴾ (الحشر ۵۹:۱۰)

''اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے: اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان''۔ دیکھو بعد والوں کی دعاء سب پہلوں کو پہنچ رہی ہے اور یہی فائدہ پہنچانا ایصال کہلاتا ہے۔

عرش والے

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلا إِنَّ اللهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (۵:۴۲)

''قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اوپر سے اور فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے۔ آگاہ رہو! بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آسمانوں پر فرشتے زمین والوں کے لئے اللہ سے بخشش کی دعاء مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاء سے زمین والوں کے گناہ بخش دیتے ہیں۔ آسمان والوں کی کوشش سے زمین والوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، کاملوں

کی محنت سے قاصروں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور بعد والوں کی دعاء سے سابقین کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ خداوند قدوس کا فضل ہے۔

فضل ہی فضل

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲۶۱)

''مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ، اس سے اگیں سات بالیں، ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے''۔

دیکھو عدل تو یہ چاہتا ہے کہ ایک دانہ خرچ کرنے والے کو اجر میں ایک ہی دانہ ملے مگر خدا کا فضل ہے کہ ایک دانہ سات سو سے بھی کئی گنا ہو جائے، دانہ بھی انہیں کی عطاء تھی اور یہ بے نہایت اجر بھی انہی کا فضل و کرم ہے۔ اللهم إني أسئلك من فضلك ورحمتك.

صدقات جاریہ

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یٰسین:۱۲) ''ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے اور ہر چیز گن لی ہم نے ایک کھلی اصل میں'' یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات جو پیچھے چھوڑے، مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھایا یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، وہ سب اس میں داخل ہیں اور حدیث پاک میں یوں ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو

س کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل، صدقہ جاریہ یا علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو
ور نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہے"۔ (صحیح مسلم ص ۴۱ ر ج ۲) اور حضرت
بو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: سوائے اس کے نہیں کہ
مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں سے ملتے ہیں وہ علم جو سیکھا پھر
س کی اشاعت کی یا نیک بیٹا چھوڑ گیا یا قرآن پاک وراثت میں چھوڑا یا مسجد تعمیر کی، یا
مسافر خانہ بنایا، یا نہر کھدوائی یا وہ صدقہ جو اپنے مال سے تندرستی اور زندگی میں نکالا،
ن کا ثواب موت کے بعد بھی اس کو پہنچتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۲) اور حضرت جریر بن
عبداللہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے رسم ڈالی اسلام میں
چھی، اس کا اس کو اجر ملے گا اور جو لوگ بعد میں اس پر عمل کریں گے ان کا بھی اجر ملے
گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی بد رسم جاری کی اس کو
س کا بھی گناہ ہوگا اور جتنے لوگ اس کے بعد اس بد رسم پر عمل کریں گے ان کا بھی اس
کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۱ ر ج ۲)

صدقات کا ایصال ثواب

عن عائشة رضی الله عنها اِنَّ رَجُلًا أَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَال یَا
رَسُوْلَ اللهِ اَنَّ أُمِّیْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوصِ وَاَظُنُّهَا لَو تَکَلَّمَتْ
تَصَدَّقَتْ اَفَلَهَا أَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ نَعَمْ

(بخاری ص ۳۸۶ ر ج ۱، مسلم ص ۳۲۴ ر ج ۱، واللفظ للمسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر
ہوا، اور عرض کیا کہ اس کی والدہ اچانک فوت ہوگئی اور اس نے کوئی وصیت نہ کی اور
میرا گمان ہے اگر وہ بات کرتی تو صدقہ کرتی۔ اب اگر میں اس کی طرف سے صدقہ
کروں تو اس کو ثواب پہنچے گا؟۔ فرمایا ہاں"۔

عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما أن سعد بن عبادة اَخَابَنِی سَاعِدَةَ تُوُفِّیَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَأَتَی النَّبِیﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اِنَّ أُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا فَهَلْ یَنْفَعُهَا شَیْئٌ صَدَقَةٌ عَلَیْهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّی أُشْهِدُکَ اَنَّ حَائِطِیْ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْهَا . (بخاری ص ۳۸۷ ج ۱)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہوگئی اور وہ غائب تھا۔ وہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی اور میں غائب تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے فائدہ ہوگا؟ فرمایا: ہاں۔ سعد نے کہا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مخراف اس کی طرف سے صدقہ ہے''۔

عن أبی هریرة أن رجلاقال للنبیﷺ ان أبی مات وترک مالا ولم یوص فهل یکفی عنه ان أتصدق عنه؟ قال نعم (مسلم ج ۱ ص ۳۲۴)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیؐ کی خدمت میں عرض کیا: بے شک میرے والد فوت ہوگئے اور مال چھوڑا اور وصیت نہیں فرمائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو کفایت کرے گا۔ فرمایا: ہاں''

عن سعد بن عبادة انه قال یا رسول اللهﷺ ان ام سعد ماتت فأی الصدقه أفضل؟ قال الماء فحفر بئرا وقال هذه لأم سعد.

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵ بیروت احیاء التراث ج ۶ ص ۳۸۵ حدیث نمبر ۲۱۹۵۳)

''حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ام سعد فوت ہوگئی۔ پس کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا پانی۔ تو سعد نے کنواں کھودا اور کہا: یہ ام سعد کے لئے ہے''۔

عن عبدالله بن عمرو بن العاص بن وائل نذر في الجاهلية أن ينحر مائة بدنة وان هشام بن العاص نحر خمسة وخمسين وان عمرو سئل النبي ﷺ عن ذالك فقال اما أبوك فلو اقر بالتوحيد فصمت و تصدقت عنه نفعه ذالك.

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲ اور طبع بیروت ج ۲ ص ۳۷۸ حدیث نمبر ۶۶۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اسی کے بیٹے ہشام نے باپ کی طرف سے پچپن اونٹ ذبح کئے۔ عمرو نے حضور ﷺ سے پوچھا: ان کا کیا ہوگا؟ فرمایا: اگر تیرا باپ توحید کا اقرار کرتا اور تو روزہ رکھ کر یا صدقہ کر کے ثواب پہنچاتا تو اس کو اس سے فائدہ ہوتا"۔

ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ اگر میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور حضرت سعدؓ کو رسول اقدس ﷺ نے پانی کے صدقے کا فرمایا کیونکہ اس وقت پانی کی قلت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنی محتاج کی ضرورت زیادہ پوری ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا اور جتنا ثوب زیادہ ملے گا اتنا ہی آگے زیادہ پہنچے گا۔ اس لئے ایصال ثواب میں خیال رکھنا چاہئے کہ میت کو زیادہ ثواب پہنچے۔

حج کا ایصال ثواب

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ان امراة من جهينة جائت الى النبي ﷺ فقالت ان أمي نذرت ان تحج فلم تحج حتى ماتت أفاحج عنها؟ قل حجي عنها. ارأيت لو كان على أمك دين اكنت قاضية اقضوا الله فالله أحق بالقضاء

(صحیح بخاری ص ۲۵۰ ج ۱)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی اور وہ منت پوری کرنے سے پہلے فوت ہوگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے

حج کروں؟ فرمایا: اس کی طرف سے حج کر۔ تیرا کیا خیال ہے، اگر تیری والدہ کے ذمہ قرض ہوتا اور تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا۔ اسی طرح اللہ کا قرض ادا کرو وہ بالاولیٰ ادا ہو جاتا ہے''۔

تلاوت قرآن کا ایصال ثواب

عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال قال أبى اللجلاج أبو خالد رضى الله عنه يا بنى أذا انامت فالحدلى فإذا وضعتى فى لحدى فقل بسم الله وعلى ملة رسول الله ﷺ ثم سن على التراب سنا ثم إقرأ عند رأسى بفاتحة البقرة وخاتمتها فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول ذالك رواه الطبرانى فى الكبير واسناده صحيح . (مجمع الزوائد ص۴۴، ج۳)

''عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میرے والد اللجلاج ابوخالد نے کہا: اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں تو میرے لئے بغلی قبر بنانا۔ جب تم مجھے میری لحد میں رکھو تو بسم الله وعلى ملة رسول الله کہنا، پھر مجھ پر مٹی برابر کرنا، پھر سر کے پاس سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات اور اس کی آخری آیات پڑھنا۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا''

عن عبدالله بن عمر قال سمعت النبى ﷺ يقول إذا مات أحدكم فلا تجسوه واسرعوا إلى قبره وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة (رواه البیھقی فی شعب الإیمان)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کو روکو مت، جلدی قبر تک پہنچاؤ اور قبر کے سرہانے سورۃ البقرہ کا ابتدائیہ اور پاؤں کی طرف سورۃ البقرہ کا اختتامیہ پڑھا جائے۔''

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر پر موقوف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ موقوف بھی مثل مرفوع کے ہے اور امت کا تعامل بھی اسی پر آرہا ہے کہ سر کی طرف الم سے هم المفلحون تک اور پاؤں کی طرف للہ مافی السمٰوٰت سے آخر سورۃ تک پڑھتے ہیں۔

اخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال کانت الأنصار اذا مات لهم المیت اختلفوا علی قبره یقرؤن له القرآن ...... ''امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ انصار کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا تو اسی کی قبر پر جا کر اس کے لئے قرآن پڑھتے''۔

اخرج أبو محمد السمر قندی فی فضائل قل هو الله أحد عن علی مرفوعاً: من مر علی المقابر وقرأ قل هو الله أحد عشر مرة ثم وهب أجره للأموات اعطی من الأ جر بعدد الاموات ۔''حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَد﴾ پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اسے بھی مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا''۔

عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الکتاب وقل هو الله أحد وألهكم التكاثر ثم قال اللهم إنی جعلت ثواب هذا الکلمات ماقرأت لأهل المقابر من المومنین والمومنات کانوا شفعآء له إلی الله تعالیٰ.

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو قبرستان میں داخل ہو کر فاتحہ، اخلاص اور تکاثر پڑھے، پھر کہے اے اللہ! میں نے جو تیرا کلام پڑھا۔ اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخشتا ہوں تو وہ سب اس کی شفاعت کریں گے۔''

عن أنس أن رسول الله ﷺ قال من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسين خفف الله عنهم و كان له بعدد من فيها حسنات.

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو قبرستان میں داخل ہوا اور اس نے سورۃ یٰسین کی تلاوت کی۔ مردوں سے اللہ تعالیٰ عذاب ہلکا فرمادیں گے اور اس پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملیں گی''۔

حماد مکی کا بیان ہے کہ میں ایک رات مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا۔ میں ایک قبر پر سر رکھ کو سو گیا۔ میں نے دیکھا کہ قبرستان والے مختلف ٹولیوں میں بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا قیامت قائم ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، ہمارے ایک بھائی نے قل هو الله أحد پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشا تھا اور ہم ایک سال سے وہ ثواب تقسیم کر رہے ہیں۔ یہ روایت امام سیوطیؒ نے شرح الصدور میں نقل فرمائی ہے۔ علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں اگرچہ ضعف ہے لیکن ان کا مجموعہ دلیل ہے کہ ان کی اصل ہے۔ (آثار السنن ص ۵۴۴)

قربانی کا ایصال ثواب

امام ابوداؤدؒ نے ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۹ (مکتبہ امدادیہ) پر باب باندھا ہے: باب الأضحية عن الميت یعنی میت کی طرف سے قربانی کرنا، اور اس میں حدیث لائے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ہر سال دو دنبے قربانی کرتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ سید عالم ﷺ کو بھی یہ شوق ہے کہ مجھے قربانی کا ثواب پہنچتا رہے تو امت تو زیادہ اس کی محتاج ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے تو اپنے مرحومین کی طرف سے بھی قربانی کر دیا کریں۔ ان کو بھی قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے بدلے نیکیاں ملیں گی۔

قرآن فہمی کا شوق

یہ سب کچھ سن کر پروفیسر صاحب فرمانے لگے کہ ہمیں تو قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کا بڑا شوق تھا لیکن اس گفتگو سے تو ہم ڈر گئے کہ جو مطلب قرآن کا ہم نے سمجھا تھا وہ قرآن پاک کی دوسری آیات کے بھی خلاف تھا اور رسول اقدس ﷺ کی احادیث مقدسہ اور مسلک اہل سنت والجماعت کے بھی خلاف تھا۔ اب اس ڈر کی وجہ سے ہم تو مایوس ہو گئے کہ ہم قرآن پاک سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک سے استفادہ کرنے سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں البتہ دین میں خودرائی سے ڈرنا یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ آپ ضرور قرآن پاک سے استفادہ کریں مگر قانون کی کتاب سے صحیح استفادہ جب ہی ہوگا کہ اس کو کسی قانون دان سے سمجھیں اور ڈاکٹری کی کتاب سے استفادہ کا صحیح طریق یہی ہے کہ ماہر، تجربہ کار ڈاکٹر سے سمجھیں۔ اسی طرح قرآن فہمی کا شوق بڑا مبارک شوق ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی تفسیر معارف القرآن خرید لیں اور اس تفسیر کو کسی عالم باعمل سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور جب بھی کوئی شخص آپ کو قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر بتائے اس سے فلاں بات ثابت ہوئی، آپ فوراً وہ آیت معارف القرآن سے نکالیں، اس میں اس آیت کی تفسیر دیکھ لیں اگر سمجھ آ گئی ہے تو بہت خوب لیکن سمجھ میں ذرا بھی شبہ ہو تو وہ کسی عالم باعمل سے دریافت کر لیں کہ اس تفسیر کا کیا مطلب ہے؟ اس سے انشاء اللہ العزیز آپ کا قرآن فہمی کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور اپنی خودرائی اور کم فہمی سے یا دوسروں کی بدفہمی اور کج فہمی سے جو گمراہی پھیل رہی ہے اس سے بھی آپ محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ میں نے تجربہ کے طور پر یہی دو آیات ان کو تفسیر معارف القرآن سے نکال کر دکھائیں اور ان کی تفسیر پڑھ کر سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم آئندہ انشاء اللہ العزیز اپنے ناقص

مطالعہ اور اپنی ناقص رائے پر بھی دین میں اعتماد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی دوسرے کی ناقص رائے پر اعتماد کریں گے۔ میں نے کہا پھر تم انشاء اللہ ان سب پریشانیوں سے محفوظ ہو جاؤ گے جو اس ناقص رائے اور خود رائی کی وجہ سے تمہیں گھیر رہی ہیں۔

اللہ والوں سے تعلق

میں نے ان سے کہا کہ دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے جس طرح مسائل میں تقلید سلف کی ضرورت ہے اسی طرح کسی اللہ والے سے بیعت و صحبت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہاں بھی یہی پریشانی ہے کہ کوئی کسی بزرگ کو اچھا کہتا ہے، دوسرا دوسرے کو۔ آدمی کدھر جائے؟ میں نے کہا یہاں بھی یہی اصول ہے کہ جس بزرگ کی طرف باعمل اور متقی علماء اور مفتیان کرام کا رجوع ہو ان کی بیعت اور صحبت کو غنیمت جانیں۔ وہاں بھی اپنی خودی مٹا کر حاضر ہوں۔ ان کے ساتھ عقیدت و محبت، ان کی عظمت اور طریق اصلاح میں ان کی اطاعت سے یہ مشت خاک سونا بن جاتی ہے۔ عقائد و اعمال میں رسوخ و استقامت ان حضرات کی نظر کیمیا اثر اور صحبت و تعلق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اہل تجربہ نے تو یہاں تک فرمایا دیا ہے کہ:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہ ز صد سالہ طاعت بے ریا

ان حضرات کے جوتے سیدھے کئے بغیر اصلاح نفس عادتاً محال ہے۔

پروفیسر صاحب کہنے لگے: ہمیں تو اس طرف سے آج تک انتہائی غفلت رہی۔ میں نے کہا: اس غفلت کو ختم کرنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ کہنے لگے: اختیاری۔ میں نے کہا: اس اختیار کو استعمال کریں ورنہ یہ غفلت ''وحشت'' میں بدل جایا کرتی ہے، پھر اللہ والوں کی عقیدت کی بجائے دل میں وحشت آ جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ اس حالت میں بھی نہ سنبھلے تو یہ وحشت نفرت میں بدل جاتی ہے اور اگر اب بھی اس کا علاج

نہ کیا جائے تو یہی نفرت عداوت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور حدیث قدسی میں ہے: من عادیٰ لی ولیا فقد أذنۃ بالحرب (بخاری ج۲ص۹۶۳) کہ اللہ والے سے عداوت اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر عادتاً اصلاح سے مایوسی ہو جاتی ہے اس لئے اس طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام والی مشہور حدیث میں دین کے تین اہم شعبوں کا ذکر ہے: ایمانیات، اسلامیات یعنی عقائد و اعمال اور احسانیات۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہشتی زیور میں ان سب شعبوں کو جمع فرما دیا ہے۔ اس کا مطالعہ اور اللہ والوں کی صحبت کو لازم پکڑیں۔

فرائض و نوافل

اسلامی عبادات میں فرائض و نوافل کی تقسیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ صرف بندوں کی مرضی پر چھوڑ دیتے کہ جتنی دل میں آئے عبادت کر لیا کرو تو شاید کتنے لوگ عبادت ہی نہ کرتے اور اگر صرف چند رکعت مقرر فرما دیتے تو کتنے اللہ والوں کو یہ حسرت رہ جاتی کہ کاش اور عبادت کرنے کی اجازت مل جاتی۔ اس لئے اسلام میں کچھ عبادت تو فرض کی گئی کہ ہر کام چھوڑ چھاڑ کر یہ ضرور ادا کرنی ہے اور اگر کوئی اور زیادہ اجر و ثواب چاہے، مزید اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو جتنے چاہے نوافل پڑھے۔ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہو جائے گا، البتہ یہ اسلامی مزاج ہے کہ فرائض میں اعلان و اجتماع ضروری ہے اور نوافل میں انفرادیت اور اخفا محبوب ہے۔ دیکھئے فرض نماز باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت ادا کرنے کی تاکید ہے مگر نوافل اور سنن اگر مسجد کی بجائے گھر پڑھی جائیں تو زیادہ محبوب ہیں اور اگر کوئی ظہر کے بعد سنتوں کی بھی جماعت شروع کر دے تو یقیناً اسلام سے واقفیت رکھنے والے اس کو ایک نئی بدعت قرار دیں گے اور اس کو ناجائز کہیں گے۔ اسی طرح ایک ایصال ثواب تو فرض کفایہ ہے اور وہ ہے نماز جنازہ۔ یہ باجماعت ادا کیا جاتا ہے اس کے بعد آپ

ساری عمر ایصال ثواب کر سکتے ہیں مگر اس میں اعلان اور اجتماع شریعت کی مخالفت ہے جیسے سنتوں نفلوں کی جماعت شریعت کی مخالفت ہے۔اب یہ جنازہ کے بعد والد پر ایصال ثواب مستحب اور نفل درجہ میں ہے۔اس لئے دن مقرر کرنا، اور اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا اور اجتماعی رنگ دینا یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور خصوصاً احناف کے ہاں یہ بدعت ہے اور بدعت سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے کیونکہ دوسرے گناہوں کی نسبت اس کا ضرر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ چوری وغیرہ کا گناہ! گناہ کی شکل میں ہے اس لئے اس سے توبہ آسان ہے کہ اپنا دل بھی ملامت کرتا ہے اور معاشرہ بھی اس پر نکیر کرتا ہے، مگر بدعت کا گناہ نیکی کی شکل میں آتا ہے۔حُب رسول اللہ ﷺ یا حب اولیاء اللہ یا اموات کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے۔اس لئے جس کو دین سے پوری واقفیت نہ ہو، وہ اس کو گناہ نہیں بلکہ نیکی سمجھتا ہے، تو جب وہ اس کو نیکی سمجھے گا تو نفرت کیوں کرے گا؟ اسی طرح جاہل معاشرہ بھی اس بدعت کو نیکی سمجھتا ہے۔اس لئے یہ گناہ زیادہ پھیل جاتا ہے اور جوں جوں بدعت آتی ہے سنت کا نور دھندلا ہوتا جاتا ہے۔تو ایصال ثواب میں ایسی بدعات سے بچنا بھی بہت ضروری ہے اور ایصال ثواب میں، ایک اور احتیاط بھی بہت اہم ہے، کہ اگر اپنی ملکیت سے کر رہا ہے تو خیر، لیکن اگر میت کے ترکہ سے ترکہ تقسیم کئے بغیر کر رہا ہے تو سب وارثوں کا رضامند ہونا ضروری ہے۔ان میں سے کوئی وارث غائب یا نابالغ نہ ہو ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔اس لئے میت کا مال پہلے شرعی طریقہ پر تقسیم کرلیا جائے پھر اپنے حصہ میں سے ایصال ثواب کرنا چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلق ایصال ثواب کا اہل سنت والجماعت میں سے کوئی منکر نہیں۔معتزلہ جیسے بدعتی فرقے اس کا انکار کرتے ہیں۔اہل سنت میں بھی احناف کا مسئلہ نہایت کامل ہے کہ ایصال ثواب درست اور جائز ہے خواہ بدنی عبادت کا ہو یا مالی عبادت کا۔

الشیخ المحقق ابن الهمام امام ابوحفص کبیر سے نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت انسؓ نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اموات کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، کیا ان کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا: ہاں! ان کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے تمہیں کوئی آدمی ہدیہ دے تو تم خوش ہوتے ہو۔ اس کے بعد کچھ اور آثار نقل کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ جو روایات ہم نے نقل کی ہیں اور بہت سی طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں ان میں قدر مشترک کے طور پر یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ ''جو نیکی کر کے اس کا ثواب بخشے تو اس کا نفع اس کو پہنچتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیکیوں کے کرتے رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور یہ بھی توفیق عطاء فرمائیں کہ مرحومین کے لئے بھی ایصال ثواب کرتے رہیں۔ فقط

ملفوظ حضرت شیخ صفدر مدظلہ

میرے عزیزو! بحمد اللہ ہم نے اپنے اکابر کا قرض چکا دیا اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس امانت کا تحفظ کرو اور آگے پہنچاؤ۔

جواز توسل بالصالحین

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی تحقیق

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

اس وقت مرشدنا حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف رکھتے تھے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے فرمایا کہ حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

تین آدمی پہلی امت کے کہیں سفر کر رہے تھے کہ ایک پہاڑ کے غار میں آرام کرنے لگے اچانک ایک بڑا پتھر گر گیا، جس سے وہ تینوں اشخاص بند ہو گئے، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل صالح کے وسیلہ سے دعا کرے۔

فقالوا انہ لاینجیکم من ھذہ الصخرۃ الاان تدعوا اللہ بصالح اعمالکم (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۰۲)

ایک نے کہا اے اللہ! میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو رات میں دودھ پلا کر سلاتا تھا، پھر اپنے اہل و عیال کو دیتا۔ لیکن ایک دن مجھے دیر ہو گئی۔ پس میں نے ان کو سوتا ہوا پایا اور میں دودھ کا پیالہ لے کر رات بھر کھڑا رہا۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو ان کو پلا دیا، پھر اپنے اہل و عیال کو پلایا۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ عمل میں نے صرف آپ کی رضاء کے لئے کیا ہے تو اس عمل کی برکت سے اس پتھر کی چٹان کو ہٹا دیجئے۔ بس وہ پتھر اس قدر ہٹ گیا کہ نکلنا ممکن نہ تھا۔

پھر دوسرے نے دعا کی کہ اے اللہ! میری چچازاد بہن تھی جو "**کانت احب الناس الی**" تمام لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب تھی اس سے میں نے اپنا مطلب چاہا، لیکن اس نے میری خواہش سے انکار کر دیا۔ پھر بعد مدت میرے پاس آئی میں نے اس کو ایک سو بیس دینار دیئے کہ وہ میری خواہش پوری

کردے، بس وہ راضی ہوگئی لیکن جب تنہائی میں اس پر پوری قدرت پالی تو اس نے کہا کہ میں تیرے لئے حلال نہیں ہوں۔ پس میں الگ ہوگیا اور وہ مجھے احب الناس تھی۔ حالانکہ وہ میرے لئے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور میں نے وہ دینار بھی اس سے واپس نہیں لئے۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ کام میں نے صرف آپ کے لئے کیا ہے تو آپ اس چٹان کو الگ فرما دیجئے۔ اس عمل کی برکت سے پتھر اور ہٹ گیا لیکن پھر بھی خروج ممکن نہ تھا۔

پھر تیسرے شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! میں نے مزدور رکھے تھے کسی کام کے لئے۔ سب کو مزدوری دے دی تھی ایک مزدور کی مزدوری باقی رہ گئی تھی اور وہ بدوں مزدوری لئے چلا گیا۔ میں نے اس کے اس مال کو بڑھایا۔ یہاں تک کہ جب ایک عرصہ بعد وہ آیا اور اس نے مزدوری طلب کی تو میں نے کہا کہ یہ اونٹ اور بیل اور بکریاں اور غلام سب تیری مِلک ہیں یعنی تیری مزدوری سے یہ سب ہیں۔ اس نے مذاق سمجھا لیکن جب میں نے پیش کر دیا تو وہ سب لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر یہ عمل میں نے صرف آپ کی رضاء کے لئے کیا ہے تو اس کی برکت سے یہ پتھر ہٹا دیجئے۔ پس وہ اس قدر ہٹ گیا کہ بآسانی یہ سب نکل گئے اور اس غم سے نجات پا گئے۔

پس اعمال صالحہ سے دعا میں توسل جب بخاری شریف سے ثابت ہے تو اسی حدیث سے میں استدلال کرتا ہوں کہ یہ اعمال صالحہ تو قالب کے اعمال ہیں اور اہل اللہ اور مقبولان بارگاہ حق سے ہم کو جو محبت ہے یہ قلب کا عمل ہے اور قلب کا عمل قالب کے عمل سے افضل ہے۔ کیونکہ قلب جوارح کا بادشاہ ہے۔ لہٰذا بدرجہ اولیٰ اعمال قلب یعنی محبت مشائخ کا واسطہ اور وسیلہ دعا میں جائز ہے۔ کیونکہ بزرگوں کا وسیلہ دراصل اس محبت کا وسیلہ ہے جو ہمارے قلوب کو ان کے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اس استدلال سے بہت مسرور ہوئے۔ (کشکول معرفت ص ۱۵ تا ص ۱۷)

سورۃ الزلزال کی فضیلت

دو مرتبہ سورۃ الزلزال پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨

سورۃ العادیات کی فضیلت

دو مرتبہ سورۃ العادیات پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

سورۃ التکاثر کی فضیلت

ایک مرتبہ سورۃ التکاثر پڑھنے کا ثواب ہزار آیتوں کے پڑھنے کے برابر ہے۔

(بیہقی بحوالہ مشکوۃ ص ۱۹۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾
ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ﴿۵﴾
لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ
يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

سورۃ الکافرون کی فضیلت

چار مرتبہ سورۃ الکافرون پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ص ۱۱۷ ج ۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ
عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ
عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ﴿۶﴾

سورۃ النصر کی فضیلت

سورۃ النصر چار مرتبہ پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ص ۱۱۷ ج ۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ
اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

سورۃ اخلاص کی فضیلت

سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔
(بخاری ص ۷۵۰ جلد نمبر ۲ مسلم ص ۲۷۱ جلد ۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

فضائل سورۃ یٰس

اس سورۃ کی فضیلت میں مفسرین نے کئی ایک احادیث نقل کی ہیں جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ یٰس قرآن مجید کا دل ہے مسند ابو یعلی کے حوالہ سے قرطبی ج ۱۵ ص ۲، اور تفسیر حقانی ج ۶ ص ۱۱۹ پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَهٗ جو شخص رات کو سورۃ یٰس کی تلاوت کرے گا اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پروانہ ملے گا۔ مسند احمد میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان جو امام نسائی نے عمل الیوم و اللیل میں نقل کیا ہے کہ سورۃ یٰس قرآن کا دل ہے لَايَقْرَءُهَا رَجُلٌ يُرِيْدُ اللّٰه والدَّارَ الْآخِرَةَ اِلَّاغُفِرَلَهٗ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے گھر کے تلاش کے لئے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا قرطبی اور تفسیر خازن وغیرہ تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ اِقْرَءُوْهَا عَلٰى مَوْتَاكُمْ تم اسے اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس پڑھا کرو تا کہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو اور تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۲۵۶ پر ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لَوَدِدْتُّ اَنَّهَا فِيْ كُلِّ قَلْبِ اِنْسَانٍ مِنْ اُمَّتِيْ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورت میری امت کے ہر شخص کے دل میں ہو یعنی ہر شخص کو اس کے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ سورۃ یٰس پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آمدہ سختی کو دور کر دیتے ہیں، اور موت کے وقت پڑھنے سے روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے اور یہ بھی کہ زندگی کی مہمات یعنی عام اہم مواقع پر اس سورت کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ نیز اس کی تلاوت اور وظیفہ تمام علماء کرام و اولیاء عظام کا معمول رہا ہے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ٥ — اٰيَاتُهَا ٨٣

يٰسٓ ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ
اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ
فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ
وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿١١﴾
اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٢﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ
الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٣﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿١٤﴾
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿١٥﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿١٦﴾
وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ
مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَجَآءَ مِنْ
اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ
فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ
مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ كَانَتْ
اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ
مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَ
اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
اَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ
اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ
الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ
لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ
حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ
الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاٰيَةٌ
لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ
مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا
مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ
اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ
أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
أَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ أَطْعَمَهٗ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ إِلَّا
صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
تَوْصِيَةً وَّلَا إِلٰى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ
الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ
مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ
إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾
فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾
إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ
ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا
يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ ۗ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ
أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۗ أَفَلَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾
اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا

أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ
لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ
نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾
وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ
وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ
حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا
عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا
رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا
يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٧٤﴾
لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا
خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ
يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾
الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ
تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ
عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ
إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي
بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾